اسٹیشن محبت میں
نازیہ کنول نازی
WWW.PAKSOCIETY.COM
ایاز

لگارہے ہو جو ماحول کی گھٹن کا سراغ
تو شخصیت کے در و بام کھول کر دیکھو
کچھ اپنی ذات کی اچھائیاں تلاش کرو
خود اپنے وعدوں کے اوزان تول کر دیکھو

کھڑکیوں کے شیشے پر
رینگتے ہوئے قطرے
یُوں پھسلتے ہیں جیسے
میرے اور بادل کے درمیان کوئی ہے
جو میرے اور بادل کے راز کو سمجھتا ہے
جب گھٹائیں چھائیں تو
صرف وہ نہیں روتیں
آنکھیں بھی برستی ہیں
کھڑکیاں بھی روتی ہیں

''رشمی بات سنو پلیز......'' خوش گوار موڈ میں خوب صورت نظم گنگناتے ہوئے وہ ہرے بھرے لان سے اٹھ کر اپنے ڈپارٹمنٹ کی طرف بڑھ رہی تھی' جب اچانک مانوس پکار پر اس کے تیزی سے اٹھتے قدم فوراً رک گئے۔ گردن گھما کر اپنے بائیں طرف نگاہ کی تو کچھ ہی فاصلے پر بلیک شرٹ اور براؤن پینٹ میں ملبوس خوبرو سے فیضان احمر کو اپنا ہی منتظر پایا جو دونوں ہاتھ پینٹ کی پاکٹس میں گھسائے دل چسپی سے اس کی طرف ہی دیکھ رہا تھا' تب وہ چہک اٹھی۔

''فرمائیے...... یہ اس وقت اچانک کہاں سے نزول ہو رہا ہے جناب کا؟''

''مجھے تم سے کچھ کہنا ہے رشمی......'' ستارہ سی روشن نگاہوں میں حد درجہ سنجیدگی لیے وہ اس کا سوال یکسر نظر انداز کرتے ہوئے بولا تو رشمی ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی۔

''آئی لو یو رشمی' آئی لو یو ویری مچ...... پلیز بی اِٹ می......'' وہی اداس بوجھل لہجہ لیکن رشمی تو جیسے بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔

''وہاٹ...... تم پاگل تو نہیں ہوگئے......؟'' مشکوک نگاہوں سے اس کی سمت تکتے ہوئے وہ بھرپور شدت

سے چلائی تھی۔

"پاگل ہی تو ہوگیا ہوں رشمی...... دن کا چین' رات کا قرار سب چھین لیا ہے تم نے۔"

"شٹ اپ' تم اچھی طرح جانتے ہو کہ مجھے اس عشق محبت جیسے بے کار کے کھیل سے کتنی نفرت ہے' پھر بھی تم......"

"ہاں پھر بھی میں تم سے پیار کرتا ہوں رشمی' میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔" اس کے تیکھے لہجے کو درمیان میں ہی اچکتے ہوئے وہ پھر گمبھیر لہجے میں بولا تو پریشان سی رشمی نے روہانسی ہوکر اپنا سر پیٹ لیا۔

"او گاڈ' آج تو یقیناً تم مجھے پاگل کردو گے۔ دیکھو فیضی' اگر تم نے مزید یہ بکواس جاری رکھی تو...... تو میں تمہارا سر پھاڑ دوں گی۔" ضبط کی شدت سے اس کا چہرہ سُرخ ہوگیا جب فیضان نے پھر سے دھیمے لہجے میں کہا۔

"تم میرے پرخلوص جذبات کو بکواس کا نام دے کر میری محبت کی توہین کررہی ہو رشمی۔"

"ارے بھاڑ میں گئی تمہاری محبت اور بھاڑ میں گئے تم خود' ہونہہ' محبت نہ ہوئی کوئی مقناطیس ہوگیا جس سے ہر کوئی لپٹا پھر رہا ہے۔ محبت کے چکر میں پڑ گئے موصوف......"

"فار گاڈ سیک رشمی...... تمہارا کیا خیال ہے تمہارے اس طرح کرنے سے کیا دنیا میں درد کا وجود باقی نہیں رہے گا۔" فیضان سچ مچ سنجیدگی سے بولا تو وہ پھر چڑ گئی تب ہی کڑک لہجے میں بولی۔

"دنیا سے درد کا وجود ختم ہو یا نہ ہو لیکن تم جیسے سر پھروں کو عقل ضرور آجائے گی۔ یہ جو تم لوگ دھی ناولز اور شاعری کی کتابیں پڑھ کر ہیرو بنے پھرتے ہو ناں' اس میں تھوڑی کمی ضرور آجائے گی۔"

"اچھا...... اگر پھر بھی ایسا نہ ہوا تو......؟" وہ آج اسے بھرپور ستانے کے موڈ میں تھا تب ہی مسکراہٹ ضبط کرکے فریش لہجے میں بولا تو رشمی نے ہاتھ میں پکڑی کتاب اس کے سر پر دے ماری۔

"تم آج مر جاؤ گے میرے ہاتھوں۔" اس کی شرارت جان کر وہ تپے ہوئے لہجے میں بولی تو فیضان پھر سے ہنس پڑا۔

"زہے نصیب' تم محبت جیسے پاکیزہ جذبے کے اتنے خلاف کیوں ہو......؟ اب دیکھو ناں رشمی' اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی تخلیق ہی محبت پر کی ہے' نہ اس بزرگ و برتر کو اپنے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق ہوتا اور نہ یہ کائنات وجود میں آتی۔ پھر تم اس پیارے بندھن سے کیسے منکر ہوسکتی ہو؟"

"مجھے نہیں معلوم...... لیکن مجھے اس بے کار کی گیم سے قطعی انٹرسٹ نہیں ہے۔ سو پلیز تم آئندہ ایسا بے ہودہ مذاق میرے ساتھ مت کرنا۔" کہنے کے ساتھ ہی وہ فوراً وہاں سے چلی گئی جب کہ فیضان دیر تلک وہیں کھڑا اپنے ایک چھوٹے سے مذاق کا اتنا شدید ردعمل دیکھ کر تاسف سے سر جھٹکتے ہوئے اگلے ہی پل اپنے ڈپارٹمنٹ کی طرف بڑھ گیا۔

رشمی اور فیضان کا واسطہ کوئی بہت پرانا نہیں تھا' دونوں ہی پہلی بار یونی ورسٹی میں ایک دوسرے کے روبرو ہوئے تھے۔ بے حد ذہین و فطین' خوب صورت سا فیضان اگر اپنی کلاس کا ہیرو تھا تو یہ شکن حسن کی مالک' قدرے مغرور سی رشمی خان بھی ہرگز کسی افسانوی ہیروئن سے کم نہیں تھی۔ وہ اتنی خوب صورت تھی کہ یونی ورسٹی میں آمد کے پہلے ہی روز کئی لڑکے اس سے تعلق بڑھانے کی خاطر اس کی طرف لپکے تھے لیکن اس نے اپنی شدت پسند طبیعت کے باعث فوراً ہی سب کو لتاڑ کر رکھ دیا تھا۔

پوری یونی ورسٹی میں وہ "مغرور حسینہ" کے نام سے مشہور تھی لیکن اسے اس لقب سے قطعی کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ وہ جیسی پہلے روز تھی اب بھی اس کا رویہ سب کے ساتھ ویسا ہی تھا' ضرورت کے تحت کسی سے بات کرنے میں وہ قطعی عار محسوس نہیں کرتی تھی تاہم بلاضرورت کسی کے ساتھ فری ہونا اسے سخت ناپسند تھا۔ یہی وجہ تھی کہ

پوری یونی ورسٹی میں ماسوائے لبنیٰ اور فیضان کے تیسرا کوئی فرد اس کے قریب ہونے کی جسارت نہیں کرپایا تھا۔

رشمی کے بقول اسے دنیا کے تمام مردوں سے نفرت تھی' اس کے نزدیک دنیا کا ہر مرد دھوکے باز' خودغرض اور ہوس پرست تھا سو وہ اپنی ذات میں یکتا ہوکر رہ گئی تھی۔ پیار' محبت' عشق' وفا' یہ سب اس کے لیے بے معنی سے لفظ تھے تب ہی اس قسم کی کوئی بھی بات اس کے دل تک نہیں پہنچتی تھی۔ فیضان احمر سے بھی وہ محض اسی لیے متاثر ہوئی تھی کہ وہ عام نوجوانوں سے قطعی منفرد تھا۔ اپنے آپ میں رہنے والا' پڑھاکو ٹائپ لڑکا' جسے نہ تو اپنی وجاہت پر کوئی غرور تھا اور نہ ہی کسی خوب صورت لڑکی کا حسن اس کے نزدیک کوئی اہمیت رکھتا تھا' سو رشمی نے اس سے دوستی گانٹھ لی اور یوں وہ اپنی یونی ورسٹی کی مقبول ترین' ہردل عزیز جوڑی بن گئے۔ کچھ لڑکے اگر فیضان سے حسد محسوس کرتے تھے تو بہت سی لڑکیاں رشمی خان کی خوش نصیبی پر بھی آٹھ آٹھ آنسو بہاتی تھیں تاہم رشمی اور فیضان دونوں ہی سب سے بے نیاز' اپنی اپنی روش پہ دوستی کا یہ سفر بھرپور اعتماد کے ساتھ طے کررہے تھے۔

دونوں کا تعلق ہی ویل آف فیملیز سے تھا لہٰذا کمتری یا برتری والی تو کوئی بات تھی ہی نہیں۔

فیضان کے گھر میں اس کی بیوہ ماں اور بوڑھے دادا جی کا وجود تھا تو رشمی اپنی لینڈ لارڈ ماں کی اکلوتی لخت جگر تھی۔ اس نے ابھی شعور بھی نہیں سنبھالا تھا جب اس کے ڈیڈ' مسٹر منصور آفاقی صاحب نے ایک خوب صورت دوشیزہ کے عشق کا شکار ہوکر اس سے دوسری شادی رچالی۔ منصور صاحب کے اس اچانک فیصلے نے اس کی مما کو بری طرح سے توڑ کر رکھ دیا لہٰذا وہ منصور صاحب سے ڈائیورس لے کر اپنی چھوٹی سی بیٹی کے ساتھ وہاں سے نکل آئیں۔ ان کی خوددار فطرت نے بھائیوں پر بوجھ بننا گوارہ نہ کیا' سو ہمت کرکے وہ اپنا اور اپنی بیٹی کا بوجھ خود ہی اٹھانے لگیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے اپنی محنت اور جان مار کوششوں سے زندگی میں وہ مقام حاصل کرلیا کہ دنیا ان پر رشک کراٹھی۔ شہر میں کتنے ہی بیوٹی پارلرز ان کی ملکیت تھے اور یہی نہیں وہ بڑی کامیابی کے ساتھ بیک وقت کئی معروف بوتیک بھی چلا رہی تھیں۔ یوں انہوں نے زندگی کی ہر آسائش اپنی بیٹی کو دی' اسے کبھی کسی چیز سے ترسنے نہیں دیا تاہم وہ چاہ کر بھی اپنی حساس بیٹی کے ذہن سے مردوں کے خلاف نفرت کا غبار نہیں نکال پائیں۔

رشمی نے جیسے ہی ہوش کی دنیا میں قدم رکھ کر حالات کا باریک بینی سے مشاہدہ کیا' اسے اپنے خودغرض باپ کے ساتھ ساتھ دنیا کے ہر مرد سے نفرت ہوتی گئی۔ تنہائیوں اور حساس سوچوں نے اسے خاصا شدت پسند بنادیا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی ذات میں تنہا ہوکر رہ گئی تھی۔

اس کے برعکس فیضان احمر ایک نہایت ہی چنچل اور کھلنڈری فطرت کا مالک تھا۔ نچلا بیٹھنا تو اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ اس کے نزدیک زندگی محض انجوائے منٹ کا نام تھا' سو وہ زندگی کے ہر لمحے سے لطف کشید کرتا' پڑھائی کے ساتھ ساتھ ہر طرح کی گیمز' شاعری' ناولز' موسیقی' فلم' ڈرامے' غرض کہ ہر چیز سے اسے گہرا لگاؤ تھا۔ پانچوں ٹائم کے ساتھ نماز کی ادائیگی اور ہر روز قرآنِ پاک کی تلاوت بھی اس کے روزمرہ کی روٹین میں شامل تھا۔ اس کے دادا' جو وسیع زمینوں کے مالک تھے' اس سے والہانہ محبت کا اظہار کرتے' اس کی نفیس سی مما بھی اس کے لاڈ اُٹھاتے نہیں تھکتی تھیں' یوں وہ ہر وقت ہنستا کھلکھلاتا رہتا تھا۔

آج کل فیضان ایک ہفتے کی چھٹی لے کر اپنے گھر والوں سے ملنے گاؤں گیا ہوا تھا اور ادھر رشمی شدید ڈسٹرب تھی کیوں کہ پچھلے کچھ روز سے اسے بے نام کارڈز اور پھولوں کے خوب صورت بوکے موصول ہورہے تھے لیکن بھیجنے والا ان کارڈز اور پھولوں کے ساتھ سوائے عشقیہ اشعار اور باتوں کے اور کچھ بھی نہیں لکھتا تھا' نہ اپنا نام نہ پتہ اور اسی وجہ سے وہ شدید جھنجلا کر

رہ گئی تھی۔

اس روز وہ اپنی بیسٹ فرینڈ لبنیٰ شاہ کے ساتھ قریب ہی ایک سالگرہ کی تقریب میں مدعو ہوئی تو ایک اور ہی مصیبت گلے پڑ گئی۔ دو دل کش بھنورا آنکھوں نے اسے پوری تقریب میں شدید ڈسٹرب کیے رکھا' نجانے وہ کون تھا' کہاں سے آیا تھا اور کیا چاہتا تھا تاہم رشی اس کی مسلسل خود پر مرکوز نگاہوں سے خاصی اپ سیٹ ہوگئی تھی۔ وہ جو کوئی بھی تھا' غضب کا حسین تھا لیکن رشی کو اس کے حسن یا اس کی وجاہت سے قطعی دل چسپی نہیں تھی سو وہ جب بھی اس کے سامنے آیا' رشی کے ماتھے پر ہزاروں بل پڑ گئے۔

خدا خدا کرکے یہ تقریب اپنے انجام کو پہنچی تو رشی نے وہاں سے بھاگنے میں ایک پل کی تاخیر نہیں کی اور گھر آ کر ہی سکون کا سانس لیا۔ اگلے دو' تین روز میں فیضان گاؤں سے واپس آیا تو وہ موقع ملتے ہی اس کے گلے پڑ گئی۔

"فیفی! شیم آن یو......" بجائے اس کا حال احوال دریافت کرنے کے وہ اسے اپنے سامنے دیکھتے ہی خاصے کڑک لہجے میں بولی تو خوبرو سا فیضان بھونچکا رہ گیا۔

"وہ تو ٹھیک ہے میڈم' لیکن کس جرم میں؟" وہ سمجھ رہا تھا کہ رشی شاید اس کے گاؤں سے لیٹ واپس آنے پر خفا ہے۔

"کس جرم میں' اب یہ بھی میں ہی بتاؤں' شرم آنی چاہیے تمہیں ایسی چیپ حرکتیں کرتے ہوئے۔" فیفی کی بے نیازی نے اسے خاصا تپا دیا تھا' تب ہی نروٹھے لہجے میں پھر سے بولی تو وہ بے چارہ ہونقوں کی طرح منہ اٹھائے اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

"لیکن رشی' میں نے کیا کیا ہے؟ پلیز ٹیل می......"

"زیادہ معصوم بننے کی ضرورت نہیں فیفی' تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تم پچھلے ایک ہفتے سے بے مقصد کارڈز اور پھول بھیج کر مسلسل مجھے ٹینس کررہے ہو' تم کیا سمجھتے ہو تم یہاں نہیں ہو گے تو مجھے تمہاری ان حرکتوں کا پتہ نہیں چلے گا۔ شرم آنی چاہیے تمہیں' جب تم جانتے ہو کہ مجھے ایسی بے ہودہ حرکتیں قطعی پسند نہیں تو کیوں بے کار میں وقت اور پیسہ برباد کررہے ہو اپنا......"

اس کا لہجہ ہنوز سخت تھا' تب ہی فیضان احمر کی برداشت جواب دے گئی اور وہ خاصے تیکھے لہجے میں بولا۔

"او میڈم...... یہ جو حد سے زیادہ خوش فہمی کا پردہ پڑا ہے ناں' تمہاری آنکھوں پر' اسے اتار پھینکو کیوں کہ فیضان احمر کوئی گرا پڑا لڑکا نہیں ہے جو تمہارے جیسے بے حس پتھر سے سر ٹکرائے گا۔ مجھے قطعی معلوم نہیں ہے کہ تم کن کارڈز اور پھولوں کی بات کررہی ہو' ویسے بھی میرا ٹیسٹ ابھی اتنا خراب نہیں ہوا کہ میں تم جیسی مغرور حسینہ پر اپنا وقت' پیسہ اور قیمتی جذبات' سب کچھ قربان کردوں۔ آئی بات سمجھ میں کہ نہیں......"

"تم سراسر جھوٹ بول رہے ہو فیفی۔"

"میں جھوٹ نہیں بول رہا رشی کیوں کہ پیار میرے نزدیک کوئی گناہ نہیں ہے جس کا اظہار یوں چوری چھپے کیا جائے۔ مجھے اگر کسی سے پیار ہوا تو ڈنکے کی چوٹ پر اس کا اظہار کروں گا۔ انڈر اسٹینڈ!"

پریشان سی رشی خان کی جھولتی لٹ کو انگلی پر لپیٹتے ہوئے اس نے قطعی سنجیدگی سے کہا تھا جب ہی رشی کی پریشانی مزید بڑھ گئی۔

"اگر تم نے وہ پھول اور کارڈز نہیں بھیجے تو پھر کون ہے جو مجھے مسلسل پریشان کررہا ہے۔" نگاہیں جھکا کر وہ خاصے دھیمے لہجے میں بولی تھی لیکن فیضان اس سے بے خبر تھا سو رشی کی پریشانی پر وہ بھی متفکر ہوگیا۔

"کب سے مل رہے ہیں تمہیں وہ کارڈز اور پھول؟" نہایت سنجیدہ لہجے میں اس نے پوچھا تھا' جب پریشان سی رشی نے اسے بتایا۔

"پچھلے کئی دنوں سے یہ سلسلہ چل رہا ہے لیکن میرا خیال تھا کہ یہ سب تم مجھے ستانے کے لیے کررہے ہو لہٰذا

میں نے کسی کو اس کے متعلق نہیں بتایا' لبنیٰ اور مما کو بھی نہیں۔" قدرے متفکر لہجے میں وہ اسے بتا رہی تھی اور فیضان پرسوچ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"او کے' پلیز یو ڈونٹ وری۔ میں پتہ لگانے کی کوشش کرتا ہوں کہ یہ سب کون کررہا ہے؟"

اور اس سے پہلے کہ وہ اس کا شکریہ ادا کرتی وہ تیز تیز قدم اٹھاتا اپنے فرینڈز کی طرف بڑھ گیا۔

اس روز سنڈے تھا اور رشی ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی کوئی ایکشن مووی دیکھ رہی تھی جب اچانک قریب ہی پڑے فون کی تیز بیل نے اسے اپنی جانب متوجہ کرلیا۔

"ہیلو......" نگاہیں ٹی وی اسکرین پر جمائے اس نے خاصی بے نیازی سے کہا لیکن دوسری جانب چھائی خاموشی نے اسے چونکا دیا۔

"ہیلو...... ہیلو......" توجہ مکمل طور پر فون کی جانب مبذول کرتے ہوئے اس نے تیز لہجے میں کہا تھا لیکن دوسری جانب ہنوز خاموشی چھائی رہی۔ یہاں تک کہ رشی نے تنگ آ کر رابطہ ہی ڈس کنیکٹ کردیا لیکن یہ بات یہیں پر ختم نہیں ہوئی بلکہ اگلے کئی روز تک اسے ایسی مس کالز آتی رہیں اور وہ شدید ڈسٹرب ہوتی رہی۔ فیضان اور لبنیٰ کو بھی اس نے اس مسئلے کی بابت تفصیل سے بتا دیا تھا لیکن وہ چاہ کر بھی اس مسئلے میں اس کی کوئی مدد نہیں کر پا رہے تھے۔

اس روز وہ یونی ورسٹی سے واپس آئی تو ایک مرتبہ پھر فون کی تیزی سے بجتی ہوئی بیل نے اسے اپنی جانب متوجہ کرلیا۔ اس کی مما عائشہ بیگم اس وقت گھر پر نہیں تھیں اور ملازمہ رقیہ کچن میں اس کے لیے کھانا گرم کررہی تھی' تب مجبوراً اسے کال ریسیو کرنا پڑی۔

"ہیلو......" ریسیور اٹھا کر خاصے بے زار لہجے میں اس نے کہا تھا۔ جواب میں دوسری طرف تھوڑی سی خاموشی کے بعد نہایت مدھر آواز گونجی۔

"کیسی ہو رشی......؟"

"وھاٹ...... تت...... تم کون ہو......؟" قطعی اجنبی لہجے نے اسے چونکا دیا تھا' تب ہی زبان میں لڑکھڑاہٹ آگئی تو دوسری جانب بڑے آرام سے کہا گیا۔

"مجھے سالار احمد کہتے ہیں رشی' دوحہ میں رہتا ہوں لیکن پچھلے تین ماہ سے پاکستان وزٹ پر اسلام آباد آیا ہوا ہوں' تمہیں ایک روز مارکیٹ میں دیکھا تھا' غالباً طارق روڈ کے کسی شاپنگ سینٹر میں بس تب سے ہی کراچی کی فضاؤں نے جکڑ لیا ہے مجھے حالانکہ میں تو یہاں محض اپنے ایک دوست سے ملنے کے لیے آیا تھا لیکن تمہیں ایک نظر دیکھنے کے بعد نہ مجھے کہیں کچھ دکھائی دے رہا ہے اور نہ ہی سماعتیں کوئی بات سمجھ رہی ہیں' تم سن رہی ہو ناں رشی......"

"آپ اپنی بکواس جاری رکھیے' میں سن رہی ہوں۔" اس کے نہایت مہذب لہجے کا جواب رشی نے خاصے بدتمیز تیکھے انداز میں دیا تھا تب ہی دوسری طرف وہ جیسے دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"بری بات رشی' کوئی ہم سے پیار کی بات کرے تو اس کا جواب یوں بدتمیزی سے نہیں دیا کرتے۔"

"شٹ اپ' لعنت بھیجتی ہوں میں تمہارے پیار پر اور تمہاری دیوانگی پر۔ آئندہ مجھے تنگ کرنے کی کوشش کی تو حوالات کی سیر کروا دوں گی' سمجھے تم......"

اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ تھپڑوں سے اس اجنبی شخصیت کا منہ سرخ کردے جو اسے پچھلے کئی دنوں سے پریشان کیے ہوئے تھا۔

"تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو رشی' میں تمہیں تنگ کرنا نہیں چاہتا۔ اگر میرا ایسا کوئی مقصد ہوتا تو میں روز چھپ چھپ کر تمہارا دیدار نہ کرتا۔ صرف تمہاری ایک جھلک دیکھنے کے لیے گھنٹوں تمہاری یونی ورسٹی کے سامنے تیز دھوپ میں نہ کھڑا ہوتا۔ اگر تمہیں ستانا ہی مقصود ہوتا تو میں اتنے دنوں تک اپنے دل پر ضبط کے بند باندھ کر تمہارا ایڈریس' نام' فون نمبر سب کچھ حاصل ہوجانے کے باوجود خود کو تم سے دور نہ رکھتا۔ تمہیں کیا معلوم رشی'

پچھلے پندرہ دنوں سے میری کیا حالت ہے، عجیب پاگل ہو کر رہ گیا ہوں میں نہ دن کا قرار اپنا رہا ہے نہ رات کی نیند، تمہیں دیکھنے کے بعد تمہاری آواز کا نشہ اپنی سماعتوں میں گھولنے کے بعد میں تو جیسے اپنا اختیار ہی کھو بیٹھا اب تم ہی بتاؤ کہ میں کیا کروں رشمی......" وہی مدہوش کن سریلی آواز، لیکن رشمی کا ضبط جواب دے گیا تب ہی وہ کٹیلے لہجے میں بولی۔

"چلو بھر پانی میں ڈوب مریئے اس سے بہتر مشورہ میں آپ کو نہیں دے سکتی۔" نہایت سرد انداز میں کہتے ہی اس نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا اور خود ریلکس ہونے کے لیے صوفے پر جسم ڈھیلا چھوڑ کر بیٹھ گئی۔

"اوہ گاڈ' پتہ نہیں اس دنیا کے لوگوں کو عقل کب آئے گی جسے دیکھو محبت کی دلدل میں دھنسا نظر آ رہا ہے۔ ہونہہ محبت نہ ہوئی کوئی بخار ہو گیا' جسے ہر کوئی چڑھائے پھر رہا ہے' میرا بس چلے تو سب کی عقل کو ٹھکانے لگا دوں......" قدرے بلند آواز میں بڑبڑاتے ہوئے وہ اپنا دماغ ٹھنڈا کر رہی تھی جب اچانک ہی لبنیٰ شاہ وہاں چلی آئی۔

"خیریت...... یا کیلے ہی اکیلے کسے کوسا جا رہا ہے بھئی۔" اس کے سامنے ہی صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس نے گویا رشمی کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا' تب ہی وہ دوبارہ اسٹارٹ ہو گئی۔

"ہونہہ' کوسنا کسے ہے......؟ یہاں تو آوے کا آوہ ہی بگڑا ہوا ہے' جس کو دیکھو ہیرو بننے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔"

"وہاٹ...... کیا پھر سے کوئی مسئلہ ہو گیا ہے۔" ریلکس بیٹھی لبنیٰ کو اس کے الفاظ نے چونکایا تھا۔

"ہاں' کوئی محترم سالار صاحب ہیں' جنہیں اچانک پہلی نظر میں مجھ سے عشق ہو گیا ہے۔ موصوف پچھلے پندرہ دنوں سے کارڈز اور پھول بھیج رہے تھے' اب ٹیلی فون پر آ گئے ہیں۔" اس کے کڑک لہجے پر لبنیٰ شاہ بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔

"اوہ گاڈ' یہ ہر لڑکا نجانے تمہیں ہی گھاس کیوں ڈالتا ہے؟ ویسے اس کو تمہارا نام' پتہ اور فون نمبر کیسے ملا؟" اس کے الفاظ کو انجوائے کرتے ہوئے وہ قدرے ریلکس ہو کر فریش لہجے میں بولی تھی جب رشمی نے گھور کر ناراضگی سے اسے دیکھا۔

"پتہ نہیں' لیکن آج کل کسی کو ٹارچر کرنے کے لیے یہ سب معلوم کرنا کہاں مشکل ہے۔ بہرحال طبیعت تو میں نے اچھی طرح صاف کر دی ہے موصوف کی' پھر بھی کبھی سامنے آ گیا تو دیکھنا تم منہ نوچ لوں گی اس کا۔"

"ہاں تم سے تو یہی توقع کی جا سکتی ہے' ویسے ہو سکتا ہے رشمی کہ تمہارے لیے وہ واقعی سیریس ہو۔"

"کیا تمہیں یہ بات مضحکہ خیز نہیں لگتی کہ جس انسان کو ہم جانتے نہیں' جس کی اچھائی برائی کا ہمیں قطعی علم نہیں' ہم اسے فقط ایک نظر میں پسند کرنے لگیں اور کل کو جب وہ کھل کر ہمارے سامنے آئے تو ہم اس محبت کو اپنی غلطی مانتے ہوئے راہیں بدل لیں۔ ڈیڈی نے بھی تو پہلی ہی نظر میں ممی کو پسند کیا تھا لیکن کیا ہوا لبنیٰ' فقط تین ہی سال کے بعد ان کا دل اس محبت سے اوب گیا اور وہ فرار کی راہیں ڈھونڈنے لگے' کیوں......؟ محض اس لیے ناں کہ وہ ممی کی نیچر کو نہیں جانتے تھے ان کے اور ممی کے نظریات میں تضاد تھا' پھر محبت کہاں رہی لبنیٰ......؟ نفرت ہو گئی ہے مجھے اس لفظ سے' کوئی کسی سے پیار نہیں کرتا' کوئی کسی کے ساتھ مخلص نہیں ہے۔ آج جو لوگ میرے لیے جان لٹانے کو بیٹھے ہیں کل میں مر جاؤں گی تو کوئی مجھے یاد بھی نہیں کرے گا' میرا نام تک نہیں لے گا کوئی۔ یہی اس دنیا کی سچائی ہے لبنیٰ' یہی محبت کا حقیقی چہرہ ہے۔"

بولتے بولتے اس کی آواز خاصی بوجھل ہو گئی تھی۔ جب لبنیٰ نے آہستہ سے اپنا ہاتھ اس کے سرد ہاتھ پر رکھ دیا۔

"پلیز بی ریلکس رشمی' آنٹی کے ساتھ جو ہوا' وہ ان کا نصیب تھا۔ اس بات کو موردِ الزام ٹھہرا کر تم ساری دنیا کے مردوں کو بے وفا نہیں کہہ سکتیں اور جہاں تک محبت کا سوال ہے تو یہ کائنات محض اسی جذبے پر تخلیق ہوئی ہے' تاریخ محبت کی انمول داستانوں سے بھری پڑی ہے۔ لاکھوں لوگوں نے عشق میں جان قربان کی ہے' جانے کتنی ہزار کتابیں' کتنی ہی لوک داستانیں تخلیق ہوئی ہیں' اگر یہ لفظ بے معنی ہوتا تو اب تک نہ اتنے شوق سے لکھا جاتا اور نہ ہی اس قدر ذوق سے لوگ اسے پڑھتے رشمی......" لبنیٰ نے اسے سمجھانے کی پھر موہوم سی کوشش کی تھی جب وہ بھڑک اٹھی۔

"سب بکواس ہے لبنیٰ' بکواس کرتے ہیں یہ شاعر اور رائٹرز' ہونہہ پیسہ کمانے کا ڈھونگ رچایا ہوا ہے انہوں نے۔ کوئی وجود نہیں ہے محبت کا' کوئی حقیقت نہیں ہے اس لفظ میں' کسی کو کسی کے ساتھ ایک نظر میں محبت نہیں ہو سکتی۔ خواہ مخواہ اپنے لفظوں سے پاگل کیا ہوا ہے انہوں نے ساری دنیا کو۔ کوئی سچائی نہیں ہوتی ان کے لفظوں میں' سنا تم نے......"

وہ اچھی خاصی جذباتی ہو گئی تھی' جب لبنیٰ نے اسے اس کے حال پر چھوڑتے ہوئے اپنی بات کا رُخ بدل دیا۔

"سُن لیا بابا' سُن لیا...... بہرحال تم فٹافٹ کھانا لگواؤ' میں تو بیگ رکھ کر سیدھی ادھر ہی آ گئی ہوں لیکن تم نے تو باتوں سے ہی میرا پیٹ بھر دیا۔" وہ چونکہ اس کی نیچر سے اچھی طرح واقف تھی تب ہی بات کو مزید طول دیے بغیر رسان سے بولی تو رشمی کے سرخ چہرے پر بھی ہلکا سا تبسم جھلک گیا۔

"سوری' تم بیٹھو میں بس ابھی آئی۔" محبت سے لبنیٰ شاہ کا ہاتھ دباتے ہوئے وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور اگلے کچھ ہی منٹوں میں وہ دونوں کھانا کھاتے ہوئے یونی ورسٹی میں ہونے والی آج کی روداد کو ڈسکس کر رہی تھیں۔ ان کی الوداعی پارٹی قریب تھی اور اس پارٹی کے لیے ان دونوں کو ہی بہت سے انتظامات کرنے تھے۔

اگلے بہت سے دن اسی مصروفیات کی نذر ہو گئے' جب ایک روز سالار احمد پھر سے اس کے سامنے آ گیا۔

وہ اس روز فیضان احمر کے ساتھ ڈنر کے لیے آئی تھی جب فیضان ریسٹورنٹ میں ہی اپنے ایک دوست کو دیکھ کر اس سے ایکسکیوز کرتے ہوئے اپنے دوست کی طرف بڑھ گیا اور وہ اکیلی اپنی سیٹ پر بیٹھی یونہی ادھر ادھر دیکھنے لگی کہ اچانک کوئی چپکے سے آ کر اس کے مقابل بیٹھ گیا۔

"ہیلو رشمی' کیسی ہو؟"

آف وائٹ شرٹ اور بلیک پینٹ میں نفاست سے تیار ہوئے وہ یقیناً سالار احمد ہی تھا کیوں کہ رشمی اسے اپنی فرینڈ کی پارٹی میں دیکھ چکی تھی' تب ہی وہ قدرے چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی تو وہ دھیمے سے مسکرا دیا۔

"تت...... تم یہاں......"

"کیوں...... میں یہاں نہیں آ سکتا......؟" اس کے تحیر بھرے انداز پر وہ خاصی سہولت سے مسکراتے ہوئے بولا تھا' جواب میں رشمی نے فیضان کی تلاش میں نگاہیں دوڑاتے ہوئے بے زاری سے ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دیا۔

"آپ اتنی کیوٹ ہو کر اس قدر بے حس کیسے ہو سکتی ہیں رشمی؟" اسے بے زار پا کر وہ قدرے دھیمے لہجے میں بولا تھا' جب وہ خاصی چڑ گئی۔

"اوہ گاڈ...... دیکھیے میں آپ میں قطعی انٹرسٹڈ نہیں ہوں' آپ واقعی بہت خوب صورت ہیں اور یقیناً کوئی بھی لڑکی آپ کو اپنا آئیڈیل مان سکتی ہے لیکن آئی ایم سوری' میں اس سلسلے میں آپ کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں کر سکتی۔ سو پلیز آپ میرا خیال اپنے ذہن سے نکال دیں۔" انتہائی روڈ انداز میں کہتے ہوئے اس نے اپنا منہ پھیر لیا تھا' جب وہ بے بس سے لہجے میں بولا۔

"مجھے خوب صورت لڑکیوں کی کمی نہیں ہے رشمی اور نہ ہی میں کوئی دل پھینک قسم کا عاشق ہوں' لیکن نجانے کیوں میں تمہاری دلکش آنکھوں میں الجھ کر رہ گیا ہوں۔

پلیز میرا یقین کرو' میں دنیا کی ہر خوشی تمہارے قدموں میں نچھاور کردوں گا۔ ہر طرح سے تمہیں خوش رکھوں گا' پلیز' میرے بارے میں صرف ایک بار سوچ لو' انشاءاللہ میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا رشمی......"

وہی مدھر مہذب لہجہ' وہی دلکش بھنورا آنکھیں' اسے دیکھ کر قطعی یہ نہیں لگتا تھا کہ وہ کچھ بھی غلط کہہ رہا ہے لیکن رشمی اپنے دل کا کیا کرتی' جہاں سرے سے ایسے کوئی جذبات تھے ہی نہیں۔ کسی کے لیے سوچنا' کسی کو چاہنا' اس کے لیے جیسے ممکن ہی نہیں تھا تب ہی وہ قدرے اکتا کر بولی۔

"دیکھیے......اس دنیا میں ہزاروں لڑکیاں ایسی ہیں جنہیں واقعی کسی سہارے کی ضرورت ہے جن کی اداس آنکھیں' سہاگن بننے کا خواب دیکھتے دیکھتے بوڑھی ہوگئی ہیں' آپ ان سے رجوع کیوں نہیں کرتے؟ آخر مجھ میں ہی کون سے سُرخاب کے پَر لگے ہوئے ہیں......؟" وہ اس کے ریلکس انداز پر قدرے جل گئی تھی۔ جب وہ دوبارہ اپنی مقناطیسی نگاہیں اس کے خوب صورت چہرے پر مرکوز کرتے ہوئے بولا۔

"عورت میری کمزوری نہیں ہے رشمی' میں صرف اپنی محبت کے ہاتھوں خوار ہو رہا ہوں۔"

"اوشٹ اپ سالار احمد' نہیں مانتی میں محبت کو' کوئی اہمیت نہیں ہے اس لفظ کی میرے لیے......آپ کتنا جانتے ہیں مجھے......؟ ہاں...... بتائیے مجھے' کچھ بھی تو نہیں پتہ آپ کو میرے بارے میں' پھر آپ کو مجھ سے محبت کیسے ہوسکتی ہے......؟ بکواس ہے صرف' کسی کو کسی سے محبت نہیں ہوتی' صرف وقتی بھونچال ہوتا ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ خود ہی ختم ہوجاتا ہے۔ سو آپ بھی اپنے ڈگمگاتے قدموں کو سنبھال لیے' یہی بہتر رہے گا آپ کے لیے۔ ایکسکیوز می......" نہایت تُرش لہجے میں اپنے دل کا غبار اس پر انڈیلتے ہوئے وہ اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اس سے پہلے کہ سالار احمد اس سے مزید کچھ کہتا وہ اسے کوئی موقع دیئے بغیر وہاں سے چلی آئی۔

♥ ♥ ♥

یونی ورسٹی میں آج کل الوداعی پارٹی کی تیاریاں اپنے عروج پر تھیں' فائنل ایئر کے تمام اسٹوڈنٹس ایک دوسرے سے بچھڑنے کی وجہ سے قدرے اداس نظر آرہے تھے تاہم تمام اسٹوڈنٹس کی خواہش پر اس پارٹی کے لیے ایک چھوٹے سے ڈانس کا پروگرام رکھا گیا تھا جس میں ہیرو کے لیے فیضان احمر اور ہیروئن کے لیے رشمی خان کو چنا گیا تھا۔

رشمی نے اس پارٹی کے لیے بلیک کریپ کے سوٹ کا انتخاب کیا تھا' جس پر نہایت نفاست سے کام کیا گیا تھا جب کہ فیضان احمر بلیک تھری پیس سوٹ میں ملبوس نجانے کتنے ہی کنوارے دلوں پر بجلیاں گرا رہا تھا۔

"رشمی......میں تمہیں پرپوز کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ ڈانس کے بعد اپنے پرس سے آئینہ نکال کر اپنی لپ اسٹک ٹھیک کررہی تھی جب فیضان نے چپکے سے اس کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے سرگوشی کی۔ جواب میں وہ آئینے سے نگاہیں ہٹا کر قدرے تحیر سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو یار' سچ کہہ رہا ہوں' مما اب مزید مجھے چھوٹ دینے کے حق میں نہیں ہیں۔ اور میں تم سے دستبردار ہونے کے حق میں نہیں ہوں لہٰذا اب تو تمہیں میرے لیے ہامی بھرنا ہی پڑے گی۔"

"کیوں......کوئی زبردستی ہے کیا......؟"

اس کی شفاف پرسوچ نگاہوں میں دل چسپی سے دیکھتے ہوئے وہ دوبدو بولی تھی جب فیضان نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"بالکل' تم اگر پیار کی زبان نہیں سمجھو گی تو مجبوراً زبردستی ہی کرنا پڑے گی۔"

"لیکن کیوں بھئی' دنیا میں خوب صورت اور اچھی لڑکیوں کا کوئی کال پڑ گیا ہے کیا......؟"

"نہیں' کال تو نہیں پڑا لیکن وہ کیا ہے کہ میری ممی کو تم بہت پسند آگئی ہو۔ حالانکہ میں نے تو بہترا کہا کہ تم

لڑکی نہیں کوئی اڑیل گھوڑی ہو جو کسی کے قابو میں نہیں آتی لیکن وہ میری مما ہی کیا جو کسی کی بات سمجھ جائیں سو انہوں نے تمہاری مما سے چوری چوری چپکے چپکے تمام معاملات طے کرلیے اور کل ہی مجھے باخبر کیا بس تب سے ہی میرے دل میں بھونچال اُٹھ رہے ہیں اور میں سوچ رہا ہوں کہ اگر ایک کھسکے ہوئے دماغ کی ابنارمل لڑکی میری کوششوں سے راہ راست پر آجائے تو کتنے ثواب کی بات ہے' سو جناب ہم نے مما کے حضور تابعداری سے سر جھکا دیا اور آج یہاں اپنے دوستوں سے الوداعی تقریب میں' میں اپنی اس "سیاہ بختی" کا باقاعدہ اعلان بھی کررہا ہوں لہٰذا مختلف لڑکیوں سے کوسنے لینے کے لیے تیار ہوجاؤ۔"

فیضان کی روشن نگاہیں اور مسکراتے لب اس بات کا ثبوت تھے کہ وہ جو کچھ بھی کہہ رہا ہے وہ سو فیصد سچ ہے تب ہی وہ اُلجھ کر رہ گئی۔

"یہ سب بکواس ہے فیضی' میری مما مجھ سے پوچھے بغیر اتنا بڑا اقدام اکیلے نہیں اُٹھا سکتیں۔"

"اچھا...... بڑا ناز ہے تمہیں اپنے لاڈلے پن پر؟ بہرحال تم چاہو تو ابھی فون پر آنٹی سے اس بات کی تصدیق کرسکتی ہو۔" پینٹ کی پاکٹ سے موبائل نکالتے ہوئے وہ قطعی خوش گوار لہجے میں بولا تھا جب اچانک رشمی کی نگاہوں میں دو خوب صورت مقناطیسی نگاہوں کا عکس جھلملا گیا۔

"ہاں' یہ ٹھیک رہے گا' فیضی سے منسوب ہونے کے بعد یقیناً اس اجنبی سے میرا پیچھا چھوٹ جائے گا۔ فیضی کا کیا ہے اس سے تو میں کسی بھی وقت دستبردار ہوسکتی ہوں۔"

روشنی کے کوندے کی مانند ایک خیال اس کے ذہن میں چمکا اور وہ خوش دلی سے مسکرادی۔

"اوکے......مجھے کسی نہ کسی سے تو شادی کرنا ہی ہے' چلو تم ہی سہی۔"

فیضان سے موبائل لے کر آف کرتے ہوئے وہ فریش لہجے میں بولی تو کھلنڈرے سے فیضان احمر کو جیسے اپنی سماعتوں پر یقین ہی نہیں آیا۔ یہ ٹھیک تھا کہ اس کی مما رشمی کو بہت پسند کرتی تھیں اور اسے ہی اپنے گھر کی بہو بنانا چاہتی تھیں' دوسری طرف رشمی کی مما بھی اسے پسند کرتی تھیں لیکن وہ رشمی کی فطرت سے اچھی طرح واقف ہونے کے باعث فی الحال ایسا کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا کہ جس سے اس کی مما کا مان ٹوٹتا اور وہ شدید ہرٹ ہوتیں سو محض اسے ستانے کے لیے اس نے اپنی طرف سے یہ کہانی گھڑی تھی جس پر قبولیت کی مہر لگا کر رشمی نے سچ مچ اسے شاکڈ کر ڈالا۔

پل دو پل میں ہی جیسے سارا ماحول بدل گیا۔ رشمی اور فیضان کے تمام دوست یہ خوش خبری سننے کے بعد جیسے بھونچکا رہ گئے تھے۔ سب ان دونوں کو گھیرے مبارک باد دے رہے تھے جب کہ فیضان اپنی اس کامیابی پر پھولے نہیں سما رہا تھا۔ خوشی کا یہ خوب صورت احساس اس وقت دوچند ہوگیا جب کچھ ہی روز کے بعد اس کی مما نے منگنی کی باقاعدہ تقریب کرتے ہوئے رشمی کی انگلی میں اس کے نام کی انگوٹھی ڈال دی۔

خوشی کے ایک عجیب سے احساس نے اسے اپنی گرفت میں لے رکھا تھا جب کہ رشمی یہ سوچ رہی تھی کہ اس کی پل پل خبر رکھنے والے سالار احمد کو جب اس بات کا پتہ چلے گا تو اس کا ردعمل کیا ہوگا؟

تقریباً ایک ہفتہ ہوگیا تھا سالار کو اس سے رابطہ کیے اور اس کی طرف سے یہ خاموشی رشمی کو خاصا چونکا گئی تھی۔ اس روز وہ لبنیٰ کی طرف جانے کے لیے گھر سے باہر نکلی تو اپنے سامنے والے بنگلے سے بلیک گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر سالار احمد کو بیٹھے دیکھ کر قدرے ٹھٹک گئی۔ سالار کی نظر بھی جونہی اس پر پڑی اس نے فوراً بریک پر پاؤں دھر دیئے اور اگلے ہی پل فوراً اپنی سیٹ چھوڑ کر اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔

"ایکسکیوز می رشمی...... میں ایکچولی تمہارے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔ ابھی کل رات ہی دوحہ سے ایک

ہفتہ کے بعد واپسی ہوئی ہے میری، میں اپنی مما کو پاکستان لے آیا ہوں رشمی، یقیناً اب تک تو تم نے میرے بارے میں کچھ سوچ لیا ہوگا۔'' اس کے بے ترتیب لہجے سے چھلکتی بے قراری نے رشمی پر واضح کردیا کہ وہ پچھلے ایک ہفتے سے اس سے بے خبر کیوں تھا، تب ہی وہ سرد آہ بھرتے ہوئے میکانکی لہجے میں بولی۔

''آپ محض ایک سراب کے پیچھے بھاگ رہے ہیں سالار احمد، میں کتنی بار آپ سے کہوں کہ آپ میرا حاصل نہیں ہیں۔''

''لیکن کیوں رشمی، پلیز ایک نظر دیکھو میری طرف اور بتاؤ مجھے کہ کس چیز کی کمی ہے مجھ میں۔ پلیز رشمی، صرف ایک نظر دیکھو میری آنکھوں میں، تمہیں میری محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر نظر آئے گا ان میں، صرف ایک بار، میرے لیے سوچ کر تو دیکھو رشمی۔ میں تمہیں محبت کرنا سکھا دوں گا۔''

وہ اس وقت اتنا بے قرار لگ رہا تھا کہ رشمی کو یکا یک ہی اس کی دیوانگی سے خوف آنے لگا۔ تب ہی وہ اس سے مزید کچھ کہے بغیر سر جھٹکتے ہوئے آگے بڑھ گئی جب کہ سالار احمد جیسے پتھر بنا وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہ گیا۔ لبنیٰ کے گھر سے واپسی کے بعد وہ اسے ٹیرس پر بے قراری سے ٹہلتے نظر آیا تھا اور رات میں تقریباً ساڑھے گیارہ بجے جب وہ سونے کے لیے اپنے کمرے میں آئی تو اچانک ہی فون کی تیز بیل نے اسے اپنی جانب متوجہ کرلیا۔ اسکرین پر سالار احمد کا موبائل نمبر دیکھ کر اس نے ایک سرد آہ بھری، پھر کچھ سوچ کر کال ریسیو کرلی۔

''ہیلو......''

''ہیلو رشمی، دیکھو میں ابھی اور اسی وقت تم سے ملنا چاہتا ہوں، پلیز......'' کال ریسیور ہوتے ہی اس کا بے قراری میں ڈوبا ہوا سا لہجہ سنائی دیا تھا جس پر وہ قدرے زچ ہوکر بولی۔

''کیوں؟ ایسی کون سی قیامت ٹوٹ پڑی ہے آپ پر جو آپ اس وقت مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''وہ میں تمہیں فون پر نہیں بتا سکتا رشمی، بس صرف اتنا جان لو کہ میں تمہیں کسی اور کے نام کے ساتھ منسوب نہیں ہونے دوں گا۔''

''اوہ...... تو یہ بات ہے، لیکن مسٹر سالار احمد صاحب! آپ بھول رہے ہیں کہ میری زندگی پر آپ کا نہیں بلکہ خود میرا اختیار ہے سو میں جیسے چاہوں اپنی زندگی کا فیصلہ کروں، آپ کوئی بھی اعتراض کرنے میں حق بجانب نہیں ہیں۔''

''میں اعتراض نہیں کررہا ہوں رشمی، پلیز مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔''

''میں آپ کو سمجھنا نہیں چاہتی سالار احمد صاحب اور یہ بات میں آخری بار آپ سے کہہ رہی ہوں، خدا حافظ۔''

سالار احمد کے بے قرار لہجے پر اس نے اگلے ہی پل سرد مہری سے کہتے ہوئے رابطہ ڈس کنیکٹ کردیا تو سالار احمد جیسے تڑپ کر رہ گیا۔ وہ دوحہ کی آزاد فضاؤں میں پرورش پانے والا ایک سنجیدہ اور قدرے حساس دل لڑکا تھا۔ قطعی بزنس مائنڈڈ، اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ پاکستان اچانک وزٹ کے دوران وہ اس ملک کی خوب صورت فضاؤں میں اپنا دل کھو بیٹھے گا۔ وہ جو خود لاکھوں دلوں کی دھڑکن تھا، یوں کسی کی نظروں میں اُلجھ کر اپنا آپ گنوا بیٹھے گا۔ بے بسی سی بے بسی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اس نے اپنے آپ کو حد درجہ لاچار محسوس کیا تھا۔ کیسی بدنصیبی تھی کہ اسے محبت بھی ہوئی تو ایک پتھر دل لڑکی سے، جو سرے سے محبت کے مفہوم سے آگاہ ہی نہیں تھی۔

موسم از حد خوب صورت ہورہا تھا۔ سیاہ گھنگھور گھٹاؤں سے بھرے بادلوں نے پورے آسمان کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا جب رشمی کچھ شاپنگ کی غرض سے مارکیٹ کے لیے نکل کھڑی ہوئی۔ لبنیٰ بھی اس کے ہمراہ ہی تھی اور وہی گاڑی ڈرائیو کررہی تھی تب ہی راستے میں بے ساختہ اس نے رشمی سے کہا۔

''رشمی...... میرا دل تو چاہتا ہے کہ میں فیضان کو کوئی اسپیشل سا ایوارڈ دوں۔''

''اچھا...... لیکن کس خوشی میں؟'' نگاہ ذرا سی ترچھی کرکے اس نے بے نیازی سے پوچھا تھا جب لبنیٰ ہنستے ہوئے بولی۔

''بھئی اس نے تمہارا دل فتح کرلیا۔ اس سے بڑھ کر خوشی کی بات اور کیا ہوگی۔''

مین روڈ کراس کرتے ہوئے اس نے قطعی خوش گوار لہجے میں کہا تھا مگر رشمی اس کی بات پر بے نیازی سے باہر دیکھتے ہوئے بولی۔

''زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے لبنیٰ، کیوں کہ میں نے یہ بندھن صرف اور صرف سالار احمد سے جان چھڑانے کے لیے باندھا ہے۔''

''وہاٹ...... تمہارا مطلب ہے تمہیں فیضان سے پیار نہیں ہے۔'' لبنیٰ کو اس کے الفاظ سے شدید دھچکا لگا تھا لیکن رشمی اس کی بات کی قطعی پروا نہ کرتے ہوئے ہنوز سرد لہجے میں بولی۔

''ہاں...... مجھے فیضان احمر سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور نہ ہی کبھی ہوگی۔ اب پلیز تم یہ مت کہہ دینا کہ میں اس کے دل سے کھیل رہی ہوں۔''

''تم اس کے دل سے کھیل رہی ہو رشمی۔ محبت کا دل دکھا رہی ہو تم۔'' اسٹیرنگ وہیل پر ہاتھ مارتے ہوئے وہ چلائی تھی۔

''میں نے فیضان کو اس بندھن کے لیے مجبور نہیں کیا لہٰذا وہ بھی مجھے یہ بندھن دیر تلک قائم رکھنے پر مجبور نہیں کرسکتا۔'' رشمی کے سکون میں قطعی کوئی فرق نہیں آیا تھا جب لبنیٰ نے خون کے گھونٹ بھرتے ہوئے نہایت افسردگی سے اس کی طرف دیکھا۔

''تم جیسے لوگ زندگی میں ایک دم اکیلے رہ جاتے ہیں رشمی، اتنی خود پسندی بھی اچھی نہیں ہوتی۔''

''پلیز لبنیٰ، میں اس وقت نصیحت سُننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ تم پلیز جلدی سے کسی ریسٹورنٹ میں چلو، مجھے بہت سخت بھوک لگی ہوئی ہے۔''

لبنیٰ کی نصیحت پر سخت بے زار ہوتے ہوئے وہ تُرشی سے بولی تو اس نے چپ چاپ گاڑی آگے بڑھا دی۔

وہ لوگ قریبی ریسٹورنٹ میں پہنچیں تو ہلکی ہلکی بوندا باندی کا سلسلہ شروع ہوچکا تھا۔ رشمی اپنی سیٹ سنبھالنے کے بعد خاموشی سے باہر کے نظاروں میں گم ہوگئی تھی جب لبنیٰ نے مینو آرڈر کرنے کے بعد اس سے پوچھا۔

''تمہارے اس اقدام کے بعد سالار احمد کا ردعمل کیا ہے؟''

''پتہ نہیں، موصوف مجھ سے مل کر کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن میں نے سختی سے منع کردیا، پچھلے ہفتے وہ دوحہ میں تھا لہٰذا اسے کچھ خبر نہ ہوسکی تاہم کل شام ہی اسے میری انگیج منٹ کا علم ہوا تو خاصا بے قرار دکھائی دے رہا تھا۔''

''تم اس پر ظلم کررہی ہو رشمی۔'' لبنیٰ کو اس کی بے نیازی سے شدید تکلیف پہنچی تھی جب وہ پھر لاپروائی سے سر جھٹکتے ہوئے بولی۔

''وہ اپنی جان پر خود ظلم کررہا ہے لبنیٰ، ہونہہ ایسے عاشق مزاج لڑکوں کو سوائے ایسی فضول حرکتوں کے دوسرا کوئی کام ہی نہیں۔''

''لیکن دنیا کے سبھی لڑکے ایک جیسے نہیں ہوتے رشمی۔'' لبنیٰ نے گھٹی گھٹی آواز میں کہہ کر اس کی سوچ بدلنا چاہی تھی جب وہ دھیمے سے مسکرادی۔

''دنیا کے سبھی لڑکے ایک جیسے ہوں یا نہ ہوں لیکن زیادہ تر لڑکے تو ایسے ہی ہوتے ہیں لبنیٰ اور یہ میرا مشاہدہ ہے، تم نے وہ اریشہ جی کا ناول ''صرف ایک بار'' نہیں پڑھا، دیکھ لو ہیرو صاحب ہر فن مولا، خوب صورت بیوی کے ہوتے ہوئے بھی باہر آنکھیں لڑانا نہیں بھولے، بس یہی حقیقت ہے ان مردوں کی محبت کی۔ پھر تم دیکھ تو رہی ہو کہ ہر لڑکا کیسے میرا شیدائی ہوکر رہ گیا ہے۔'' بھنویں اچکا کر نگاہیں لبنیٰ کے سپاٹ چہرے پر مرکوز کرتے ہوئے وہ قطعی غیر سنجیدگی سے بولی جب لبنیٰ نے زچ ہوکر کہا۔

''تم تکبر سے کام لے رہی ہو رشمی اور تکبر خدا کو پسند نہیں ہے۔''

''جو حقیقت ہے میں تو وہ بتا رہی ہوں۔'' کندھے اچکا کر لاپروائی سے کہتے ہوئے وہ کھانے کی طرف راغب ہوگئی تو سنجیدہ سی لبنٰی شاہ نے ایک افسردہ نظر اس پر ڈالتے ہوئے اپنا رخ پھیرلیا۔

وہ لوگ کھانے سے فارغ ہوکر ریستوران سے باہر آئیں تو اچانک تھوڑے ہی فاصلے پر سالار احمد کو دیکھ کر رشمی کے قدم ٹھٹک گئے۔

وہ اپنی گاڑی کو لاک کرکے ابھی سیدھا ہی ہوا تھا کہ اچانک رشمی خان کو اپنے سامنے دیکھ کر وہیں رک گیا۔ رتجگوں کی خمار زدہ سُوجی ہوئی آنکھوں میں سُرخ ڈورے بکھر رہے تھے۔ لباس صاف ضرور تھا مگر سلوٹوں سے پُر تھا' ہونٹ خشک ہورہے تھے اور وہ پہلے کی نسبت کافی کم زور بھی دکھائی دے رہا تھا۔ رشمی اس پر ایک سرسری سی نظر ڈال کر آگے بڑھ گئی تو وہ جیسے مچل اُٹھا۔

''رشمی' رشمی پلیز میری بات سنو......'' لپک کر وہ اس کے قریب آیا تھا جو دونوں بازو سینے پر لپیٹے خاصی بے نیاز دکھائی دے رہی تھی۔

''فرمائیے۔'' توجہ اس کی جانب مبذول کرتے ہوئے اس نے پوچھا تو رنجیدہ سے سالار احمد نے کہا۔

''میں تم سے پیار کرتا ہوں رشمی' میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا' پلیز بی لیومی۔'' ہونٹ بھینچتے ہوئے وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا تھا جب مغرور سی رشمی خان تمسخر سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرادی۔

''اچھا......تو پھر میں کیا کروں؟'' کتنی حقارت تھی اس کے لہجے میں۔

''میں مرجاؤں گا رشمی......'' سالار احمد نے درد بھرے لہجے میں کہا' جب وہ زچ ہوتے ہوئے بولی۔

''تو مرجایئے ناں' روکا کس نے ہے؟''

''میں سچ مچ مرجاؤں گا رشمی۔'' سالار کا چہرہ ضبط کی شدت سے سُرخ ہورہا تھا اور وہ اس کی حالت سے لطف اٹھا رہی تھی۔

''آئی ڈونٹ کیئر۔''

دوسرے ہی لمحے اس کی مقناطیسی آنکھوں میں تمسخر سے دیکھتے ہوئے اس نے کہا اور قدم آگے بڑھا دیئے۔ تب دکھ کی انتہا پر کھڑے گم صم سے سالار احمد نے پل'' پل کے لیے کچھ سوچا پھر اپنی پینٹ کی جیب سے تیز دھار چاقو نکال کر اگلے ہی پل اپنے بائیں ہاتھ کی وین کاٹ ڈالی۔ درد کی ایک شدید لہر اس کے دل سے اٹھی مگر وہ ضبط کرگیا۔ رشمی قدرے شاکڈ انداز میں پلٹ کر اس کی زخمی کلائی سے ابلتا خون دیکھ رہی تھی اور وہ آنکھوں میں آنسو لیے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جب کافی دیر سے خاموش کھڑی لبنٰی شاہ لپک کر اس کے قریب پہنچی اور اپنا ڈوپٹہ پھاڑ کر تیزی سے اس کی کلائی کے گرد باندھ دیا۔

''بس' ہوگیا آپ کی محبت کا امتحان' آزما لیا اپنا ضبط......کرلی دل کی تمنا پوری...... ہوگئے ناں سُرخرو آپ......؟ مگر اب سوچیئے کہ آپ کے اس احمقانہ اقدام کی خبر جب آپ کو جنم دینے والی آپ کی ماں تک پہنچے گی تو ان کے دل کا کیا حال ہوگا؟ آپ اس بے حس لڑکی کی محبت کو اس ماں کی ممتا پر ترجیح دے کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں سالار احمد' جو آپ کی آنکھوں میں دیکھ کر اپنے زندہ ہونے کا یقین پاتی ہیں' اتنا ہی خون بہانے کا شوق ہے تو وطن کی آبرو پر جان لٹایئے کیوں کہ آپ کے خون کے ایک ایک قطرے کی اس لڑکی سے زیادہ آپ کے وطن کو ضرورت ہے' انڈراسٹینڈ......'' کب سے دل میں ابلتا غبار پھر نے سالار احمد پر انڈیلتے ہوئے اس نے اپنی گاڑی کا لاک کھولا پھر سالار احمد کے لیے فرنٹ ڈور کھول کر اس کے بیٹھتے ہی سادہ سے دل کی مالک لبنٰی شاہ نے رشمی خان کی طرف دیکھے بغیر تیزی سے گاڑی ہوسپٹل کی طرف بڑھا دی۔

♥ ♥ ♥

رشمی ڈسٹرب مائینڈ کے ساتھ گھر واپس پہنچی تو نماز عصر کا ٹائم ہورہا تھا اور سامنے ہی لاؤنج کے ساتھ والے کمرے میں عائشہ بیگم جائے نماز پر بیٹھی دعا مانگ رہی تھیں۔ وہ نماز سے فارغ ہوکر لاؤنج کی طرف آئیں تو رشمی گلاس میں پانی انڈیل رہی تھی جب انہوں نے محبت سے بھرپور نظر اپنی بیٹی پر ڈالتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

''رشمی......نماز پڑھ لو بیٹے' عصر کا وقت نکلا جارہا ہے۔''

''اوکے......پڑھ لوں گی مما۔'' ایک ہی سانس میں گلاس خالی کرتے ہوئے وہ قدرے بے زاری سے بولی تھی جب عائشہ بیگم نے حد درجہ حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے رشمی......؟ میں نے ایسی تربیت تو نہیں کی تھی تمہاری۔''

انہیں رشمی کے الفاظ سے شدید دھچکا لگا تھا تب ہی وہ خاموش نہ رہ سکیں تو رشمی ریموٹ پھینک کر چڑتے ہوئے بولی۔

''اوفار گاڈ سیک مما' میں اس سلسلے میں آپ سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہتی' سو پلیز ڈونٹ ڈسٹرب می......'' انتہائی کوفت کے انداز میں کہتے ہوئے وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی جب کہ شاکڈ کھڑی عائشہ بیگم پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی رہ گئیں۔

انہوں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ جس بیٹی کے عیش و آرام کے لیے وہ دن رات پیسہ کمانے کی دُھن میں لگی ہوئی ہیں ان کی وہی بیٹی تنہائیوں کا شکار ہوکر اس حد تک خودسر' بدتمیز اور اللہ کی پاک و بے نیاز ذات سے بے نیاز ہوجائے گی۔ آج حقیقی معنوں میں وہ خود سے اپنی لاپروائیوں سے اور اپنے خدا سے شرمندہ تھیں اور چاہتی تھیں کہ جلد اس کے فرض سے سبکدوش ہوجائیں تاکہ فیضان جیسا سمجھدار لڑکا اسے خود ہی راہ راست پر لے آئے مگر فیضان اپنی ہائیر اسٹڈی کے لیے دو سال کا کورس مکمل کرنے چائنا جارہا تھا سو انہیں نا چاہتے ہوئے بھی اپنا یہ ارادہ تبدیل کرنا پڑا۔

رشمی آج کل اپنے کمرے میں مقید ہوکر رہ گئی تھی۔ عائشہ بیگم کی اُس سے ملاقات صرف دوپہر کے کھانے پر ہی ہوتی تھی۔ باقی کا سارا دن وہ کہاں گزارتی تھی' انہیں کچھ خبر نہیں تھی۔ لبنٰی شاہ نے بھی سالار احمد والے واقعے کے بعد اس سے کنارہ کشی کرلی تھی اور اسی کی معرفت رشمی کو یہ معلوم ہوا تھا کہ وہ دوحہ واپس جاچکا ہے سو اس نے دل سے مطمئن ہوتے ہوئے شکر کا کلمہ پڑھا تھا۔

عائشہ بیگم آج کل ناروے جانے کی تیاری کررہی تھیں کیوں کہ ناروے سے ان کی اکلوتی بہن غزالہ بیگم نے انہیں اپنی بڑی بیٹی آس خان کی شادی میں انوائیٹ کیا تھا اور بہ زور اصرار کیا تھا کہ وہ شادی سے قبل کچھ دن اُن کے ساتھ ضرور گزاریں سو وہ بزنس سے متعلق اہم امور نمٹاتے ہوئے اگلے کچھ ہی رزو میں ناروے چلی آئیں جہاں غزالہ بیگم کی پوری فیملی نے ان کا بھرپور استقبال کیا تاہم رشمی خان' جو الگ تھلگ اپنی مرضی سے رہنے کی عادی تھی' وہ یہاں اتنے سارے لوگوں کے بیچ آکر قطعی خوش نہیں تھی سو اس کا اصرار تھا کہ اسے واپس پاکستان جانے دیا جائے لیکن عائشہ بیگم کے لیے فی الحال یہ ممکن نہیں تھا سو وہ اسے ٹالتی رہیں۔

غزالہ بیگم کے تین بچے تھے' بڑی بیٹی آس خان' پھر بیٹا ارسل اور سب سے آخر میں چھوٹی بہن وریشا خان جو رشمی کی ہم عمر اور مکمل طور پر اس کی ہم مزاج تھی۔

رشمی کو یہاں آئے پورا ہفتہ ہوگیا تھا لیکن اسے تاحال یہاں کی زندگی میں کوئی خاص چارم محسوس نہیں ہورہا تھا سو وہ سب سے لیے دیئے رہتی۔ آس خان کی شادی کے دن بالکل قریب آگئے تھے مگر اس کے لیے کسی چیز میں کوئی انٹرسٹ نہیں تھا حالانکہ سب اس کا اتنا خیال رکھتے تھے۔

اس روز بھی ارسل اسے آئس کریم کھلانے کے لیے ساتھ لایا تھا مگر واپسی میں وہ اپنے ایک دوست کے ساتھ باتوں میں لگ گیا تو رشمی اس سے روٹھ کر اکیلی ہی گھر کے لیے نکل پڑی۔ ارسل کو گمان بھی نہیں تھا کہ وہ

ایسا قدم اٹھالے گی تب ہی وہ اپنے دوست سے فارغ ہوکر پیچھے پلٹا تو رشمی کا کہیں دور دور تک نام ونشان نہیں تھا' شدید پریشان ہوکر وہ اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا مگر تب تک رشمی اس کی پہنچ سے بہت آگے نکل چکی تھی۔

وہ چونکہ ابھی مکمل طور پر یہاں کے راستوں سے آشنا نہیں تھی لہٰذا بھٹک کر رہ گئی تھی۔ چل چل کر اس کی ٹانگیں بھی جواب دے چکی تھیں اور اب بھوک کا احساس بھی شدت سے ہو رہا تھا' اجنبی دیس کے اجنبی شہر میں یوں دربدر بھٹکتے اسے پہلی مرتبہ اپنی حماقت پر بے انتہا غصہ آیا مگر اب کیا ہوسکتا تھا۔ غلطی تو اس سے ہوچکی تھی' سو اب پچھتانا بے سود تھا۔ سمجھ میں قطعی کچھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے؟ مزید ستم کیا اس نے بلیک ٹراؤزر پر صرف چھوٹی سی شرٹ پہن رکھی تھی۔ ڈوپٹے کے نام پر صرف ایک اسکارف کندھوں کو ڈھانپے ہوئے تھا جس کی وجہ سے شدید سردی کا احساس اسے کپکپا رہا تھا۔ کسی کو روک کر راستہ پوچھتے ہوئے یا لفٹ لیتے ہوئے وہ ڈر رہی تھی تب ہی بہادر بنی' چلتی رہی کہ اچانک تیزی سے روڈ کراس کرتے ہوئے وہ اپنی ہی غلطی کے باعث ایک گاڑی سے بری طرح ٹکرا گئی۔ صد شکر کہ گاڑی ڈرائیو کرنے والے نے فوراً بریک لگادی تھی ورنہ اس کا کچلے جانا لازم تھا تاہم اس سے پہلے کہ وہ اپنے زخموں کو ٹٹولتی' ہمت کرکے اپنے پاؤں پر کھڑی ہوتی کوئی تیزی سے گاڑی سے نکلا اور اس کے قریب آبیٹھا۔

''ایکسکیوزمی' آر یو اوکے......؟'' انتہائی مدھر' دلنشین لہجہ مگر وہ سرسری سی ایک نگاہ اس پر ڈال کر رہ گئی۔

''یس' تھینک یو......'' کہنیوں کے بل اُٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے کہا تو مقابل شخص دھیمے سے مسکرادیا۔

''میرے خیال سے سوسائٹ کرنے کا یہ طریقہ بہت پرانا ہوچکا ہے' آپ کا کیا خیال ہے؟'' اسے اٹھنے میں مدد دیتے ہوئے وہ متبسم لہجے میں بولا تو رشمی خان جیسے تپ اٹھی' تب ہی بھڑکیلے لہجے میں بولی۔

''سوسائٹ کریں میرے دشمن' میں تو یونہی راستہ بھول کر بھٹک گئی تھی کہ آپ سے ٹکراؤ ہوگیا ورنہ میں ایسے راہ چلتوں کو منہ نہیں لگاتی۔''

''اوکے...... لیکن آپ کو تو کافی چوٹیں آئی ہیں' لایئے میں ڈریسنگ کردیتا ہوں ورنہ زخم بگڑ جائیں گے۔'' اس کے ترش لہجے پر دل کھول کر ہنستے ہوئے وہ اپنائیت سے بولا تھا' جب رشمی نے اپنی چھلی ہوئی کہنی اس سے چھپالی۔

''تھینکس' مجھے آپ کی مزید ہیلپ نہیں چاہیے۔'' وہی خودسر ہٹیلا انداز مگر اجنبی نوجوان نے اس کے انکار کی پروانہ کرتے ہوئے زبردستی اس کا ہاتھ تھام لیا پھر جینز کی پاکٹ سے اپنا رومال نکال کر اس کے زخموں سے رستا خون صاف کرتے ہوئے نرم لہجے میں بولا۔

''زخموں سے لاپروائی نہیں برتنی چاہیے میڈم' ورنہ بہت بگڑ جاتے ہیں یہ اور تب زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔'' کہنے کے ساتھ ہی وہ اپنی گاڑی سے فرسٹ ایڈ بکس نکال لایا تھا۔ رشمی چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھی۔ آف وائیٹ پینٹ پر لائٹ براؤن شرٹ زیب تن کیے انتہائی نفیس سا وہ شخص جانے کیوں اسے دنیا کے تمام مردوں سے قطعی مختلف لگا تھا۔ اس کے ملبوس سے اس وقت نہایت مدہوش کن خوشبو اٹھ رہی تھی اور وہ جیسے ایک ٹرانس کی سی کیفیت میں بالکل خاموش بیٹھی اسے سن رہی تھی۔

''یہ ایڈ بکس میں ہمیشہ گاڑی میں رکھتا ہوں تاکہ کبھی بھی ضرورت پیش آجائے تو پریشانی نہ ہو۔ ویسے آپ غالباً کسی اور ملک سے آئی ہیں' آئی تھنک ہندوستان یا پاکستان سے۔ آیم آئی رائیٹ......'' اس کے زخمی بازو پر پٹی باندھتے ہوئے وہ خاصے فرینڈلی انداز میں بولا تھا' جب رشمی نے اسے بتایا۔

''میں پاکستان سے آئی ہوں مگر آپ نے یہ کیسے جانا......؟''

''بس دیکھ لیں' ہم تو نبض دیکھ کر دل کا حال جانتے

والے ہیں' بہرحال آیئے آپ کو آپ کے مطلوبہ اسٹاپ پر ڈراپ کروں۔'' بکس بند کرکے واپس گاڑی میں رکھتے ہوئے اس نے آفر کی تو رشمی کچھ لمحوں کے لیے ہچکچا گئی۔ اس اجنبی ملک کے ایک اجنبی شخص پر اعتبار کرنا' اس کے لیے اتنا آسان نہیں تھا مگر وہ مزید بھٹک بھی نہیں سکتی تھی تب ہی الجھ کر اس اجنبی نوجوان کی طرف دیکھا تو اس نے ایک مسحور کن سی دوستانہ مسکراہٹ اس کی طرف اچھال دی۔

''ارے...... آپ کس سوچ میں ڈوب گئیں؟ آپ کا خیال ہے میں آپ کو کڈنیپ کرکے کہیں لے جاؤں گا......؟'' اس کا لہجہ خوش گوار تھا مگر حیران سی رشمی اس کی اس قدر درست نظر شناسی پر ایک سرد آہ بھر کر رہ گئی تاہم اس سے پہلے کہ وہ اسے کوئی جواب دیتی' بوکھلایا ہوا سا ارسل خان' اسے ڈھونڈتا ڈھونڈتا بالآخر وہاں آپہنچا۔

''او رشمی' تم کہاں کھوگئی تھیں' تمہیں پتہ ہے میں پچھلے ایک گھنٹے سے پاگلوں کی طرح تمہیں ڈھونڈتا پھر رہا ہوں۔'' ارسل کی نظر جونہی اس پر پڑی تھی۔ وہ اس کی طرف لپکتے ہوئے شکایتی انداز میں بولا تھا جب اس کی طرف پشت کیے کھڑے اس اجنبی نوجوان نے فوراً پلٹ کر ارسل خان کی طرف دیکھا اور خوش گوار حیرت کے ساتھ اگلے ہی پل کھل کھلا کر ہنس پڑا۔ رشمی خان کے لیے اس کی یہ کھلکھلاہٹ قطعی اچنبھے کا باعث تھی مگر اس سے بھی زیادہ حیران کن ارسل کا اس کے ساتھ بغل گیر ہونا تھا۔

''آپ ابوظہبی سے کب لوٹے معصب بھائی......؟'' اس سے الگ ہوتے ہی ارسل نے پوچھا تھا' جب اس نے خوش گوار لہجے میں بتایا۔

''ابھی' کل رات ہی واپسی ہوئی ہے' بہرحال تم سناؤ گھر میں تو سب خیریت ہے ناں......''

''بالکل' سب آپ کی راہ ہی دیکھ رہے ہیں۔'' ارسل نے جواباً مسکراتے ہوئے بتایا تھا۔ اپنی ہی گپ شپ میں مشغول وہ گھر کی طرف روانہ ہوگئے تھے اور رشمی حیرانی سے ٹکر ٹکر یہ سب دیکھتی رہ گئی تھی۔

آدھے گھنٹے کی مسافت کے بعد وہ لوگ گھر پہنچے تو شام کے چار بج رہے تھے اور غزالہ بیگم کے ساتھ ساتھ عائشہ بیگم بھی ان دونوں کو لے کر کافی فکرمند تھیں' تب ہی نڈھال سے ارسل خان نے تمام کہانی گھر والوں کے گوش گزار کی تو سب ہی رشمی کی حماقت پر ہنس پڑے تاہم عائشہ بیگم نے وہیں اسے سب کے سامنے زبردست ڈانٹ پلادی۔ ان کے لیے یہ تصور ہی محال تھا کہ وہ اگر کسی اور کے ہاتھ لگ جاتی تو ان کا کیا ہوتا مگر رشمی کو نہ پہلے کبھی ان کی ڈانٹ کی کوئی پرواہ رہی تھی نہ اس وقت تھی۔ سو اس نے ایک کان سے سُنا اور دوسرے سے نکال دیا۔

اگلے دو روز کے بعد خوب صورت سی آس خان مایوں بیٹھ گئی تو پورے گھر میں جیسے ہلچل سی مچ گئی۔ ورشا اور رشمی نے تمام فنکشنز کے لیے خوب تیاری کی تھی' گھر کو ڈیکوریٹ کرنے میں بھی وہ دونوں سب سے آگے آگے رہی تھیں' اس روز مایوں کا فنکشن تھا اور رشمی' ورشا کے ساتھ مل کر باہر لان میں اسٹیج کو ڈیکوریٹ کررہی تھی' جب خوش گوار موڈ کے ساتھ وجیہہ سا معصب احمر بھی وہیں ان کی مدد کو چلا آیا۔ رشمی اس وقت پھولوں کی ایک لڑی کو کیل کے ساتھ باندھ کر دیوار میں نصب کررہی تھی جب اچانک معصب احمر کی طرف دیکھتے ہوئے بے دھیانی میں ہتھوڑی اس کی نازک سی انگلی پر لگ گئی اور وہ ہلکی سی سسکاری بھرتے ہوئے وہیں ہاتھ پکڑ کر بیٹھ گئی۔

''اوگاڈ' یہ تم لڑکیاں بھی ناں کوئی کام ڈھنگ سے نہیں کرسکتیں' لے کر انگلی پر چوٹ کھالی ناں۔'' معصب احمر اس کی سسکاری سنتے ہی فوراً اس کی طرف لپکا تھا جب اس کے قریب ہی کھڑی نٹ کھٹ سی ورشا خان نے کہا۔

''اور ساری چوٹوں کی خیر ہے معصب بھائی' بس دل پر چوٹ نہیں لگنی چاہیے۔''

''بالکل' لیکن کیا کیا جائے کہ تم تو یہ حماقت آل

ریڈی کرچکی ہو۔‘‘ رشمی خان کی انگلی تھامے وہ فوراً میکانگی لہجے میں بولا تو یلو اور گرین کاٹن کے سوٹ میں ملبوس خوب صورت سی وریشا خان کھل کھلا کر ہنس پڑی جب کہ قدرے کنفیوز سی رشمی خان نے فوراً اپنا ہاتھ معصب احمر کے مضبوط ہاتھ سے نکال لیا۔

’’لو میں بھی کتنی بدھو ہوں‘ آپ دونوں کا تعارف تو کروایا ہی نہیں‘ خیر معصب بھائی یہ رشمی ہے‘ میری فرسٹ خالہ زاد کزن۔ اور رشمی‘ یہ معصب بھائی ہیں‘ ہمارے جیجو‘ درمان بھائی کے خاص رازدار قریبی دوست۔‘‘

وریشا کے فریش لہجے پر اس نے پلکیں اٹھا کر اپنے مقابل بیٹھے خوبرو سے معصب احمر کو دیکھا اور اگلے ہی پل نگاہ جھکالی۔ دل کی دھڑکنیں صرف ایک پل کے لیے مچلی تھیں تاہم اس نے اپنا ازلی اعتماد ڈولنے نہیں دیا اور لمبی سانس بھر کر قدرے ریلکس لہجے میں بولی۔

’’نائس ٹو میٹ یو......‘‘ ہونٹوں کے ساتھ ساتھ مخروطی انگلیاں دھیرے سے کپکپائی تھیں جب وہ مسکراتے ہوئے خوش گوار لہجے میں بولا۔

’’تھینکس‘ ویسے مجھ سے ملنے والا ہر شخص یہی کہتا ہے‘ کیوں وشی؟‘‘

’’بالکل‘ معصب بھائی۔ آپ اٹریکٹو ہی اتنے ہیں کہ کوئی سراہے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔ ویسے جناب‘ ہماری رشمی بھی ہرگز کسی سے کم نہیں ہے۔ بڑے بڑے حسین شہزادوں کے دل توڑنے کا اعزاز حاصل ہے انہیں۔‘‘

وہ قطعی خاموش بیٹھی تھی تاہم اس وقت اس جادوئی شخصیت کے سامنے وریشا کے ان الفاظ نے اسے دلی تسکین پہنچائی تھی اور اس کا سر فخر سے قدرے بلند ہوگیا تھا جب معصب احمر نے اپنی مقناطیسی نگاہیں اس کے حسین چہرے پر مرکوز کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

’’دل توڑنا اعزاز نہیں ہوتا وشی‘ بہرحال آئی گلیڈ ٹو میٹ ہر۔ تم اپنی کمپنی انہیں دو‘ میں بعد میں ملتا ہوں۔‘‘ وہ فوراً وہاں سے چلا گیا تھا تاہم اس کی مقناطیسی نگاہوں میں کچھ ایسا تھا کہ وہ اُلجھ کر رہ گئی تھی تب ہی نڈھال سے انداز میں وہیں اسٹیج پر بیٹھ گئی تو وریشا خان بے ساختہ اس سے پوچھ بیٹھی۔

’’رشمی...... آر یو او کے......؟‘‘

’’ہاں‘ میں ٹھیک ہوں‘ تم بتاؤ یہ معصب صاحب کون ہیں؟‘‘

’’بتایا تو تھا یار‘ درمان بھائی کے بہت کلوز فرینڈ ہیں‘ شروع سے ہی ان کی فیملی سے ہمارے اچھے ری لیشنز رہے ہیں‘ سو درمان بھائی کی طرح معصب بھائی بھی ہم سے بہت کلوز ہیں۔ ویسے تو کافی فرینڈلی ہیں لیکن اجنبی لڑکیوں کے معاملے میں اکثر رُوڈ ہوجاتے ہیں‘ بقول معصب بھائی کے عورت خواہ کتنی ہی ہوشیار اور گڈ کریکٹر کیوں نہ ہو‘ مرد کی ایک ترچھی نگاہ سے فوراً پگھل جاتی ہے‘ بہرحال وہ دل کے بہت اچھے ہیں رشمی۔‘‘ پرخلوص سی وریشا کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیسے معصب احمر کی تعریف کرے۔ تب ہی مختصر لفظوں میں اس کی شخصیت کے چند پہلو اُجاگر کرتے ہوئے بولی تو مغرور سی رشمی خان دھیمے سے مسکرادی۔

’’اوکم آن وشی...... مرد سارے ایک جیسے ہوتے ہیں‘ کسی بھی خوب صورت عورت کو دیکھ کر لٹو ہوجانے والے اوپر اوپر سے بھلے مضبوط بنتے رہیں مگر اندر سے دل پھینک ہی ہوتے ہیں۔‘‘

’’لیکن معصب بھائی ایسے نہیں ہیں رشمی......‘‘ اس کے الزام پر وریشا نے گھٹی گھٹی سی آواز میں اس پر واضح کرنا چاہا تھا جب وہ پھر سے مسکراتے ہوئے بولی۔

’’اچھا...... تمہارے معصب بھائی کوئی آسمان سے اتری ماورائی مخلوق ہیں کیا‘ جو دنیا کے دوسرے انسانوں سے مختلف ہوں‘ حسن ہر مرد کی کمزوری ہے مائی ڈیئر سو اپنے معصب بھائی کی وکالت تم نہ ہی کرو تو بہتر ہے۔‘‘

اس کا دھیما لہجہ قطعی پرسکون تھا‘ جب سادہ سی وریشا خان ایک افسردہ نگاہ اس کی حسین آنکھوں میں ڈالتے ہوئے سرد آہ بھر کر وہاں سے اٹھ گئی کیوں کہ کتنی بھی مثبت بحث کرکے کسی کا مذہب بدلا جاسکتا ہے لیکن

فطرت نہیں سو وہ خاموشی سے اٹھ گئی۔ مایوں کا فنکشن شروع ہوا تو وہ تیار ہونے کے لیے اپنے کمرے کی طرف چلی آئی جب کہ رشمی خان بھی اپنے کپڑے پریس کرنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ راہداری میں آئی تو آف وائیٹ سوٹ میں ملبوس خوبرو سا معصب احمر بازو پر اپنا ایک اور ڈریس دھرے کسی کو تلاش کررہا تھا' جب وہ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً اس کے قریب چلی آئی۔

''ایکسکیوزمی' کچھ چاہیے آپ کو......؟''

دل میں تھوڑی سی خوش فہمی تھی کہ شاید وہ اسی کو تلاش کررہا ہو مگر جلد ہی یہ خوش فہمی مٹی میں مل گئی جب اس کی پکار پر معصب احمر نے چونکتے ہوئے کہا۔

''ہاں...... وہ ایکچولی مجھے یہ ڈریس پریس کروانا تھا' اس لیے میں ورشیا کو ڈھونڈ رہا تھا۔''

''او آئی سی' لائیے میں یہ ڈریس پریس کردیتی ہوں۔'' اسے مضطرب دیکھ کر وہ فراخ دلی سے بولی تو معصب احمر ہچکچا گیا۔

''نہیں...... آپ کو بے کار میں زحمت ہوگی۔''

''ارے اس میں زحمت کی کیا بات ہے' آپ تو ہمارے مہمان ہیں اور مہمانوں کی خدمت کرنا ہمارا فرض ہے۔ ویسے بھی میں اپنے کپڑے پریس کرنے جارہی تھی تو لگے ہاتھوں آپ کے کپڑے بھی پریس ہوجائیں گے۔''

اس کا انداز خالص لگاوٹی تھا تاہم سنجیدہ سے معصب احمر کے لبوں پر اس کے الفاظ نے دھیمی سی مسکراہٹ بکھیر دی۔

''تھینک یو۔'' ڈریس اسے تھما کر وہ قدرے ممنون لہجے میں بولا تو رشمی خان دھیمے سے مسکرادی۔

''تھینکس فار وہاٹ' آپ کے لیے جیسی ورشا ویسی میں۔ پھر مجھ سے کام لیتے ہوئے یہ ہچکچاہٹ کیوں......؟'' بڑے عجیب سے انداز میں اس نے پوچھا تھا' جب اس کے مقابل کھڑے خوبرو سے معصب احمر نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

''آپ کی اہمیت اپنی جگہ لیکن ورشا میرے لیے بہت امپورٹنٹ ہے۔''

''اچھا' کوئی خاص تعلق ہے کیا آپ کے بیچ؟''

اسے ورشا کی یہ اہمیت ہضم نہیں ہوئی تھی تب ہی چبھتے ہوئے لہجے میں بولی تو معصب احمر لب بھینچ کر رہ گیا۔

''شٹ اپ' ورشا میرے لیے بہت رسپیکٹڈ ہے۔''

''ارے تو میں کب کہہ رہی ہوں کہ آپ اس کے لیے کچھ غلط سوچتے ہیں' بہرحال مرد خواہ کتنے ہی مضبوط کیوں نہ ہوں' عورت کی محبت پر دل ہار ہی جاتے ہیں۔'' اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ وہ سُلگ کر رہ گیا تھا تاہم رشمی ایک مسکراتی نظر اس پر ڈالتے ہوئے آگے بڑھ گئی اور وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

وہ اپنی تیاری مکمل کرکے باہر اسٹیج کی طرف آئی تو نگاہوں کے سامنے ہی یلو اور گرین کمبی نیشن کے سوٹ میں ملبوس نٹ کھٹ سی ورشا خان اور گرے سوٹ میں ملبوس معصب احمر ایک دوسرے کے پہلو میں بیٹھے کھل کھلا رہے تھے۔ گرے سادہ سے سوٹ میں بھی اس کی وجیہہ پرسنیلٹی اسے خاصا چونکا گئی تھی۔ وہ اس شخص کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی اور نہ ہی جاننا چاہتی تھی مگر اس وقت اسے بھرپور انداز میں کھل کھلاتے دیکھ کر نجانے کیوں اسے یہ لگا تھا کہ جیسے وہ اس چہرے کو برسوں سے جانتی ہو۔ بلاشبہ وہ بہت حسین تھا لیکن حسین تو فیضان احمر اور سالار احمد بھی بہت تھے تو پھر اس چہرے میں ایسی کون سی خاص بات تھی جو یوں اسے چونکا گئی تھی۔ کچھ بھی تو خاص نہیں تھا اس میں مگر پھر بھی وہ اسے دنیا کے تمام مردوں سے قطعی منفرد اور خوب صورت لگا تھا۔ نظر سے تھوڑے ہی فاصلے پر وہ انتہائی شریر موڈ میں ذرا سا ابٹن اٹھا کر ورشا خان کے گالوں پر لگا رہا تھا اور وہ چڑتے ہوئے اس سے الجھ رہی تھی جب کہ رشمی خان اسے یوں ورشا پر مہربان دیکھ کر ایک عجیب سا حسد اپنے دل میں محسوس کررہی تھی۔

اگلے روز آس خان کی مہندی تھی اور اس فنکشن کے لیے وہ خصوصی طور پر خوب محنت سے تیار ہوئی تھی۔ سُرخ ...داری لہنگا سوٹ میں وہ غضب کی حسین لگ رہی تھی۔ درمان کی طرف سے اس فنکشن میں جو لوگ آئے تھے معصب احمر ان سب میں پیش پیش تھا اور خوب ہلہ گلہ کررہا تھا۔ وائیٹ کرتا شلوار میں ملبوس وہ غضب کا حسین دکھائی دے رہا تھا۔ جب وہ دل ہی دل میں اسے خوب سراہتے ہوئے جان بوجھ کر اس کے پہلو میں آکھڑی ہوئی۔ مقصد محض اس پر اپنا آپ جتا کر اسے اپنا اسیر کرنا تھا مگر اس وقت وہ حیرت سے گنگ رہ گئی جب معصب احمر نے اس پر ایک بھی نگاہ ڈالے بغیر وڈیو کیمرا سنبھال لیا اور فل ٹائم اسے آس خان' ورشا اور اسٹیج پر موجود دیگر مہمانوں کی طرف مرکوز رکھا۔ وہ اسٹیج پر آس خان کے مقابل بھی بیٹھی تھی مگر تب بھی معصب احمر نے اس کا کوئی پوز نہیں لیا اور وہ تذلیل کے شدید احساس سے کٹ کر رہ گئی۔ آنکھیں ضبط کی شدت سے سُرخ ہوئی تھیں' بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ کوئی شخص یوں اتنی آسانی سے اسے نظر انداز کردے اور شخص بھی وہ کہ جسے وہ اپنا اسیر کرنا چاہتی تھی۔

''نہیں معصب احمر' تم مجھے نیچا نہیں دکھا سکتے۔ اس طرح سے میرے حسن کو نظر انداز نہیں کرسکتے تم۔'' ضبط کی انتہائی کوشش سے دوچار ہوتے ہوئے اس نے دل میں سوچا اور اسٹیج سے اٹھ کر اس کے قریب چلی آئی۔

''معصب! مجھے مارکیٹ جانا ہے' بہت ارجنٹلی' پلیز میرے ساتھ چلیں۔''

''سوری' میں اس وقت مصروف ہوں۔ آپ ارسل کے ساتھ چلی جائیں۔'' اپنے کام میں محو اس نے انتہائی سردمہری سے کہتے ہوئے رُخ پھیر لیا تو خودسر رشمی خان پاؤں پٹخ کر رہ گئی۔ زندگی میں پہلی بار کسی مرد نے اس کی قربت سے انکار کیا تھا اور وہ اس پر کلس کر رہ گئی تھی۔

''وشی...... آؤ ڈانس کریں۔'' وہ ابھی پہلے شاک سے نہیں نکلی تھی کہ اس کے ان الفاظ نے اسے مزید چونکا ڈالا تب ہی اس نے ورشا کو کہتے ہوئے سُنا۔

''سوری معصب بھائی' میں آل ریڈی بہت تھک چکی ہوں۔ آپ پلیز رشمی کو ساتھ لے لیں۔''

''نہیں' تم سے کہا ہے تو تم ہی ڈانس کروگی' کم آن' اٹھو۔''

کیمرا اپنے دوست کو تھماتے ہوئے وہ ضدی لہجے میں بولا تو خوب صورت سی رشمی خان دکھ سے کٹ کر رہ گئی۔ وہ اسے یوں بھی کم وقعت کرسکتا ہے' اس کا گمان قطعی نہیں تھا اسے تب ہی سُرخ چہرے کے ساتھ وہ فوراً وہاں سے اٹھ آئی تو ورشا خان معصب احمر سے الجھ پڑی۔

''معصب بھائی' آپ نے اسے ناراض کردیا ناں۔''

''تو......؟ میرے لیے ایسی سرپھری لڑکیاں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں وشی اور یہ بات تم اچھی طرح سے جانتی ہو۔''

''ہاں جانتی ہوں' لیکن رشمی ایسی لڑکی نہیں ہے۔ وہ بہت حساس لڑکی ہے معصب بھائی۔''

''وشی! وہ اچھی ہے یا بُری' مجھے اس سے کیا مطلب......؟''

اس کا موڈ اچھا خاصا خراب ہوگیا تھا تب ہی وہ اس پر خفا ہوکر وہاں سے چلا گیا تو ورشا وہیں اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

اگلے روز آس خان کی رخصتی اور ولیمے کا فنکشن تھا اور اس فنکشن کے لیے رشمی نے کل کی ہر بات بھلا کر خوب تیاری کی۔ بلیک ساڑھی جس کے بلاؤز اور پلوں پر چھوٹے چھوٹے نگوں سے بھاری کام کیا گیا تھا اس پر بے انتہا جچ رہی تھی۔ بازوؤں اور بالوں کو اس نے خوب صورت گجروں سے سجالیا تھا۔ آج اگر اسے فیضان احمر یا سالار احمد میں سے کوئی دیکھ لیتا تو یقیناً جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا' اس کا روپ آج سب کو ساکت کررہا تھا لیکن وہ بے تابی سے معصب احمر کا انتظار کررہی تھی۔ ورشا خان

نے بھی ویسی ہی ساڑھی پہنی تھی' میک اپ بھی ویسا ہی کیا تھا لیکن اس کے مقابلے میں وہ بہت پیچھے رہ گئی تھی۔

خدا خدا کر کے دن کے کہیں دو بجے برات پہنچی تو اس کے بے چین دل کو قرار ملا۔ وہ اور ورشا دونوں ری سیپشن پر کھڑی آنے والے مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہی تھیں ان پر پھول نچھاور کر رہی تھیں لیکن رشمی کی بے قرار نگاہیں بار بار بھٹک کر معصب احمر کو تلاش کر رہی تھیں جو برات کے ساتھ کہیں دکھائی ہی نہیں دے رہا تھا۔ ورشا خان' ہمیشہ کی طرح انتہائی فریش موڈ میں ہنس ہنس کر سب مہمانوں کو سنبھال رہی تھی لیکن اس کا دل بے کل ہو رہا تھا۔ کسی کو چاروں شانے چت ہوجاتے دیکھنے کی خواہش معدوم ہو رہی تھی کہ اچانک وہ اسے نظر آ گیا۔ بلیک تھری پیس سوٹ میں نفاست سے تیار ہوئے وہ کسی اور ہی دیس کا شہزادہ لگ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر یکا یک ہی رشمی کی ٹانگیں اور ہاتھ کپکپانے لگے تھے۔ دل کے اندر بھی تھوڑا سا بھونچال اُٹھا تھا لیکن وہ اس پر اپنی کنفیوزنگ ظاہر کیے بغیر اعتماد سے کھڑی رہی' یہاں تک کہ وہ اس کی طرف چلا آیا لیکن کتنی عجیب بات ہوئی تھی کہ اس نے اس پر ایک نگاہِ غلط بھی نہیں ڈالی اور اسے دائیں ہاتھ سے سائیڈ پر کرتے ہوئے وہ تیزی سے ورشا خان کی طرف بڑھ گیا۔

''اوہ ویری چارمنگ گرل' بہت پیاری لگ رہی ہو وشی۔ نظر لگ جائے گی آج تو تمہیں۔''

''تھینک یو۔'' اس کی کشادہ تعریف پر سادہ سی ورشا خان نے کھل کھلاتے ہوئے کہا تو خوبرو معصب احمر بھی دھیمے سے مسکرا دیا۔

''ویسے یہ ساری خوب صورتی اس ساڑھی کی ہے یا تم نے اسے پہن کر زیادہ خوب صورت بنا دیا ہے۔''

ورشا کی ساڑھی کا پلو تھامتے ہوئے وہ ستائشی انداز میں بولا تو قریب کھڑی رشمی خان جیسے پتھر کا بُت ہی تو بن گئی۔

''معصب بھائی! ایک نظر ذرا اُدھر رشمی پر بھی ڈال لیجئے' آج سب سے زیادہ حسین وہی لگ رہی ہے۔''

اس کے سوال سے پہلو بچاتے ہوئے ورشا نے اس کی توجہ خوب صورت سی رشمی خان کی جانب مبذول کرانا چاہی مگر ناکام رہی کیوں کہ معصب احمر نے اس کے کہنے پر بھی رشمی خان کی جانب نگاہ نہیں کی اور بدستور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''میرے لیے تو سب سے زیادہ حسین اس وقت میری گڑیا ہی ہے' ہاں اگر اعصار یہاں ہوتا تو شاید درست کمنٹس پاس کر دیتا۔'' اس کا لہجہ انتہائی دھیما تھا مگر رشمی نے دیکھا کہ اس کے الفاظ سے ورشا خان کے چہرے پر ہزاروں پھول کھل گئے۔ پل دو پل میں اس کے چہرے کا رنگ سُرخ ہو گیا تھا۔ تب جل کر کباب ہوتی رشمی ضبط کی انتہا پر پہنچی' وہاں سے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ احساسِ توہین سے اس کی آنکھیں جل رہی تھیں' دل میں پہلی بار کسی کی بے نیازی سے شدید تکلیف کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ اتنا مضبوط اور بے حس ہوگا' رشمی کو اس کا گمان بھی نہیں تھا۔ مارے طیش کے اس نے اپنے گجرے نوچ نوچ کر پھینک دیئے تھے۔ ساری جیولری بھی نوچ ڈالی تھی لیکن تضحیک کا احساس تھا کہ کسی طرح کم ہی نہیں ہو رہا تھا۔

کتنی ہی دیر وہ اپنے کمرے میں بیڈ پر پڑی روتی رہی لیکن دل کا بوجھ کسی طرح سے کم نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی ہو کر اس واقعے کو ذہن سے جھٹلانے لگی کہ اچانک کسی نے پیچھے سے آ کر اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ پل دو پل کے لیے ٹھٹک کر اس نے اپنے سرد ہاتھوں سے بھاری مضبوط ہاتھوں کو ٹٹولا اور اگلے ہی پل انہیں اپنی آنکھوں سے ہٹا دیا تو نظر کے بالکل سامنے خوبرو سے معصب احمر کو دیکھ کر شاکڈ رہ گئی۔

''اوہ..... آئی ایم سوری' میں سمجھا کہ شاید ورشا خان یہاں کھڑی ہے۔ وَنس اگین ویری سوری......'' اس کی روئی روئی آنکھوں سے نگاہ چراتے ہوئے اگلے ہی پل وہ وضاحتی انداز میں بولا اور فوراً واپس پلٹ گیا تو ہونق سی کھڑی رشمی خان جیسے تھک کر وہیں زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

''ارے رشمی' تم یہاں ہو اور میں نجانے کہاں کہاں تمہیں ڈھونڈتی پھر رہی ہوں۔ چلو اٹھو' باہر دودھ پلائی کی رسم ہو رہی ہے۔ آؤ چل کر درمان بھائی کی جیب ڈھیلی کرتے ہیں۔''

وہ گم صم سی گھٹنوں پر سر رکھے نیچے زمین پر بیٹھی تھی جب ورشا خان نے آ کر فاسٹ لہجے میں کہا۔ جواب میں وہ رُخ پھیر کر رہ گئی۔

''سوری وشی' میرا دل نہیں چاہ رہا' پلیز تم اکیلی چلی جاؤ۔''

''ارے ایسے کیسے اکیلی چلی جاؤں...... باہر سب لوگ تمہارا پوچھ رہے ہیں اور تم یہاں چھپ کر بیٹھی ہو۔ فیضان بھائی کی یاد آ رہی ہے ناں' چلو چل کر فون پر تمہاری ان سے بات کراؤں۔'' رشمی خان کی اداسی کو نوٹ کیے بغیر وہ بات کو اپنے ہی دے میں لیتے ہوئے دوستانہ لہجے میں بولی تو رشمی اس کے قیاس پر دھیمے سے مسکرا دی۔

''ایسی بات نہیں ہے ورشا' بہر حال چلو درمان بھائی سے ملتے ہیں۔''

کپڑے جھاڑ کر کھڑے ہوتے ہوئے اس نے دھیمے لہجے میں کہا اور ورشا کا ہاتھ تھام کر کمرے سے باہر نکل آئی جہاں اس وقت دلکش سی آس خان اور دولہا بنا درمان خان تصویریں بنواتے ہوئے انتہائی خوب صورت لگ رہے تھے جب کہ ان کے قریب ہی صوفے پر بیٹھا معصب احمر کھل کھلاتے ہوئے اسے سخت زہر لگا تاہم ورشا خان کی خوشی کے لیے وہ دودھ کا گلاس لے کر اسٹیج پر آ گئی۔

''لیجئے درمان بھائی' مزے دار دودھ پی لیں اور پورے پچاس ہزار دیجئے۔'' گلاس درمان خان کو تھماتے ہوئے اس نے حتی المقدور اپنے لہجے کو فریش کرنے کی کوشش کی تھی جب درمان خان کو زبردست چھینک آ گئی۔

''پچاس ہزار' یار یہ دودھ ہے یا آبِ حیات کا پیالہ......؟''

''آبِ حیات کا پیالہ ہی سمجھئے کیوں کہ زندگی میں پہلی اور آخری بار یہ نصیب ہو رہا ہے۔'' اس کا شوخ انداز ایسا تھا کہ ورشا اور درمان کے ساتھ ساتھ اسٹیج پر موجود سبھی لوگ بے ساختہ کھل کھلا کر ہنس پڑے جب کہ شریر سا درمان سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے معصب احمر کے کان میں سرگوشی کرنے لگا۔

''یار یہ دودھ تو لاکھ روپے کلو کے حساب سے پڑ رہا ہے' کیا کریں......؟''

''کرنا کیا ہے' پچاس ہزار نکالیں اور پی جائیں۔'' وہ اس کی سرگوشی سن چکی تھی تب ہی چہک کر بولی تو درمان نے نچلا ہونٹ دبا لیا۔

''یار کچھ کمی بیشی کر لو۔ ابھی تو تمہاری آپی کو رونمائی کا تحفہ بھی دینا ہے۔''

''تو ہم کیا کریں' فٹافٹ پچاس ہزار نکالیے' تب ہی جان بخشی ہوگی۔''

وہ اسے قطعی چھوٹ دینے کے حق میں نہیں تھی۔ جب کافی دیر سے خاموش بیٹھا معصب احمر گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''محترمہ! میرے خیال سے یہ حق ورشا کا ہے جسے آپ خواہ مخواہ استعمال کر رہی ہیں۔'' کٹیلے لہجے میں اس کے الفاظ جہاں رشمی کو شدید ہرٹ کر گئے تھے وہیں ورشا' آس' درمان اور گھر کے دیگر لوگوں کو بھی اس کے یہ الفاظ قطعی پسند نہیں آئے مگر رشمی کی زبان کو تو فوراً بریک لگ چکے تھے لہٰذا وہ سب کے روکنے اور ایکسکیوز کرنے کے باوجود پھر وہاں ایک پل کے لیے بھی نہیں رکی۔

♥ ♥ ♥

آس خان کی شادی بخیر و عافیت انجام پا چکی تھی۔

درمان خان کی سنگت ہر لحاظ سے بہت بیسٹ انتخاب ثابت ہوئی تھی تب ہی وہ بے حد خوش تھی۔ عائشہ بیگم پاکستان واپس جانے کی تیاری کررہی تھیں لیکن وہ فی الحال یہیں ٹھہرنا چاہتی تھی سو اس نے عائشہ بیگم کے ساتھ جانے سے انکار کردیا' نتیجتاً وہ اگلے ہی ہفتے پاکستان واپس چلی گئیں۔

رشمی آج کل عجیب سے بے کلی محسوس کررہی تھی۔ وہ معصب احمر کو کوئی اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں تھی لیکن کتنی عجیب بات تھی کہ پھر بھی وہ ہر روز اپنی انفرادیت کے باعث اس کی سوچوں میں درآ رہا تھا۔ اسے قدم قدم پر زچ کرکے اس کا مفروضہ جھٹلا رہا تھا۔

انہی دنوں پاکستان سے غیر متوقع طور پر فیضان احمر کا فون آ گیا۔ وہ ورشا کے ساتھ مارکیٹ سے لوٹی تو غزالہ بیگم نے اسے اطلاع دی جس پر کوفت زدہ سی ہوکر اس نے رات میں سونے سے قبل فیضان کے موبائل پر اسے رنگ کردیا۔ رشمی کے لیے اس کا محض دو ماہ کے بعد پاکستان واپس آنا خاصے اچنبھے کا باعث تھا تب ہی دوسری بیل پر کال ریسیو ہونے کے بعد اس نے فاسٹ لہجے میں کہا۔

''ہیلو فیضان' میں رشمی بول رہی ہوں۔'' قدرے سرد لہجے میں اس نے کہا تھا جب اسے فیضان کی دھیمی آواز سنائی دی۔

''ہیلو' کیسی ہو رشمی......؟'' وہی اس کا پراپنائیت دوستانہ لہجہ' جواب میں وہ سرد آہ بھرتے ہوئے بولی۔

''میں ٹھیک ہوں فیضی' تم کہو کیسے ہو؟'' وہ اس کے ساتھ زیادہ لمبی بات کرنے کے حق میں نہیں تھی لہٰذا فوراً ہی کام کی بات پر آ گئی تو دوسری طرف فیضان جیسے بجھ کر رہ گیا تب ہی وہ بولا تو اس کے لہجے میں عجیب سی اداسی تھی۔

''رشمی...... میں نے صبح فون کیا تھا' تب سے پل پل تمہاری کال کا انتظار کررہا ہوں۔ اب وقت ملا ہے کال بیک کرنے کا۔''

''او کم آن فیضی' میں آل ریڈی بہت اپ سیٹ ہوں۔ پلیز یہ گلے شکوے بعد میں کرلینا' فی الحال تو یہ بتاؤ کہ فون کیوں کیا تھا۔'' اس کے پرشکوہ لہجے پر وہ قدرے جھنجلا گئی تھی' تب ہی بے زاری سے بولی تو دوسری طرف تھوڑی دیر کے لیے خاموشی چھا گئی پھر چند ہی سیکنڈ کے بعد اسے فیضان احمر کی افسردہ آواز سنائی دی۔

''رشمی' مما کی طبیعت پھر سے بہت خراب ہوگئی ہے پچھلے ہفتے وہ پورے تین دن کوما میں رہی ہیں۔ ڈاکٹرز ان کو لے کر زیادہ پرامید نہیں ہیں کیوں کہ مما کے دل کا وال قطعی ناکارہ ہوچکا ہے لہٰذا وہ میری شادی کے لیے بضد ہیں۔ وہ جانے سے پہلے تمہیں اپنی بہو کے روپ میں دیکھنا چاہتی ہیں رشمی اور میں ان کی یہ آخری تمنا ٹوٹتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ سو پلیز تم فوراً پاکستان واپس آ جاؤ۔''

اس کا نم لہجہ بتا رہا تھا کہ دوسری طرف وہ یقیناً رو رہا تھا تاہم اپنے ہی حال میں بے چین رشمی خان جیسے اس کے الفاظ پر اچھل پڑی۔

''وہاٹ...... یہ تم کیا کہہ رہے ہو فیضی......؟''

''میں وہی کہہ رہا ہوں جو حقیقت ہے رشمی' پلیز جلدی آ جاؤ۔'' وہ اس سے زیادہ فاسٹ لہجے میں بولا تھا۔

''لل...... لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے' مم...... میں ابھی پاکستان واپس نہیں آ سکتی۔'' وہ قدرے بوکھلا گئی تھی۔

''یہ میری مما کی زندگی کا سوال ہے رشمی' پلیز۔'' فیضان کا لہجہ حد درجہ رنجیدہ ہوگیا تھا جب وہ الجھتے ہوئے بولی۔

''انہیں کچھ نہیں ہوگا فیضی' خدا پر بھروسہ رکھو پلیز۔'' وہ اس وقت جتنی مضطرب تھی اس کا دل ہی جانتا تھا۔

''میری مما مر رہی ہیں رشمی' ان کی آنکھوں میں میری شادی کے ارمان بکھر رہے ہیں۔'' دوسری طرف وہ واضح طور پر رو پڑا تھا لیکن رشمی خان کا دل نہیں پگھلا' پگھلتا بھی کیسے' وہ تو آج کل اپنے حواسوں میں ہی نہیں تھی تب ہی اس کی ریکویسٹ پر جھنجلاتے ہوئے بولی۔

''اگر ایسی ہی بات ہے تو تم کسی اور لڑکی سے شادی کرلو فیضان' کیوں کہ میں تو فی الحال پاکستان نہیں آ سکتی۔'' کتنے آرام سے اس نے یہ بات کہہ دی تھی لیکن دوسری طرف بے حد سینسیٹو فیضان احمر پر گویا بجلیاں گر پڑیں۔

''وہاٹ...... اس کا مطلب ہے تمہیں مجھ سے پیار نہیں تھا رشمی......؟'' کس قدر بے یقین لہجہ تھا اس کا لیکن رشمی کو اس وقت اس کے درد کی پروا نہیں تھی تب ہی سرد مہری سے بولی۔

''پیار ویار مجھے کبھی کسی سے نہیں رہا اور یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو فیضی۔''

''تو...... تو میں یہ سمجھ لوں کہ میں نے تم سے پیار کرکے اپنے دل کے جذبوں کی توہین کی رشمی۔'' ٹوٹے ہوئے لہجے میں قدرے شکستہ انداز کے ساتھ اس نے پوچھا تھا جب کوفت زدہ سی رشمی خان جیسے اکتا گئی۔

''آئی ڈونٹ نو فیضی' تمہیں جو سمجھنا ہے تم سمجھ لو لیکن پلیز دوبارہ مجھے اس طرح سے پریشان مت کرنا۔'' خاصے ترش لہجے میں کہنے کے ساتھ ہی اس نے لائن ڈس کنیکٹ کردی اور دونوں ہاتھوں سے سر کو دباتے ہوئے خود کو ریلکس کرنے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔

❤❤❤

اس روز موسم خاصا سرد تھا اور وہ لان میں کھلی ہلکی ہلکی دھوپ سینکتے ہوئے چائے سے لطف اندوز ہورہی تھی جب خوب صورت سی ورشا خان انتہائی خوش گوار موڈ میں اس کے قریب چلی آئی۔

''رشمی' کل معصب بھائی کی سال گرہ ہے لیکن ہر سال کی طرح اس سال بھی وہ اپنا جنم دن بھولے ہوئے ہیں لہٰذا میں نے سوچا کہ ہمیشہ کی طرح اس سال بھی میں انہیں سرپرائز دوں' کیا میری اس کوشش میں تم میرا ساتھ دوگی......؟''

''بالکل...... ساتھ نہ دینے کی تو کوئی وجہ نہیں لیکن تمہارے معصب بھائی کو کہیں میری شرکت ناگوار نہ گزرے۔'' کپ کے کنارے پر شہادت کی انگلی پھیرتے ہوئے وہ بڑے عام سے لہجے میں بولی تھی' جب ورشا مسکراتے ہوئے بولی۔

''معصب بھائی ایسے نہیں ہیں رشمی' تم خواہ مخواہ ان سے بدگمان ہو۔''

''اچھا...... چلو تم کہتی ہو تو مان لیتے ہیں۔ بہرحال برتھ ڈے کہاں سیلبریٹ کرنی ہے؟'' اس کے اطمینان میں قطعی فرق نہ آیا تھا۔

''یہیں' اسی گھر میں' مما اور ارسل کل ایک بزنس پارٹی اٹینڈ کرنے جارہے ہیں' درمان بھائی اور آس کو میں نے آل ریڈی اعتماد میں لے لیا ہے سو ہم یہیں ارینج منٹ کریں گے اور معصب بھائی کو زبردست سا سرپرائز دیں گے۔'' وہ بچوں کی طرح خوش ہورہی تھی جب رشمی نے دھیمی سی مسکراہٹ لبوں پر پھیلاتے ہوئے پوچھا۔

''اوکے' لیکن تم انہیں یہاں بلاؤ گی کیسے؟''

''ویری سمپل' تم انہیں ان کے موبائل پر رنگ کرکے کہو گی کہ ورشا سیڑھیوں سے گر پڑی ہے' بس پھر دیکھنا کیسے گولی کی چوٹ پر آتے ہیں وہ۔''

ورشا کے لہجے میں اعتماد بول رہا تھا لیکن خود پسند سی رشمی اُس کے اس اعتماد سے جل گئی تب ہی معذرت کرتے ہوئے بولی۔

''سوری ورشا' میں اس طرح سے جھوٹ بول کر کسی کو پریشان نہیں کرسکتی۔''

''ارے تو میں بعد میں وضاحت کرکے انہیں ریلکس کردوں گی' پلیز رشمی' پلیز۔'' اس کا لہجہ انتہائی ملتجی ہوگیا تو مجبوراً رشمی کو اس کی ہدایت پر عمل کرنے کی ہامی بھرنی ہی پڑی۔

''اچھا سنو' تم انہیں ان کی برتھ ڈے پر گفٹ کیا دے رہی ہو......؟'' بظاہر اس نے لاپروا لہجے میں پوچھا تھا جب ورشا نے اسے بتایا۔

''پوئیٹری' پتہ ہے معصب بھائی کو شاعری سے بہت لگاؤ ہے۔ تم کبھی ان کے کمرے میں جا کر دیکھو ناں تو حیران رہ جاؤ' جتنی انہوں نے شاعری کی کتابیں اپنی خوب صورت ریک میں سجا رکھی ہیں۔''

''اچھا' اور کیا کیا پسند ہے تمہارے معصب بھائی کو......؟'' ورشا کی طرف دلچسپی سے دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا تھا جب سادہ سی ورشا خان نے مسرور لہجے میں اسے بتایا۔

''معصب بھائی' بہت فرینڈلی اور حساس انسان ہیں رشمی۔ اس لیے تمام اچھی چیزوں کو پسند کرتے ہیں۔ مثلاً خدا کی پاک ذات سے انہیں بے حد پیار ہے' سادگی انہیں بے حد اٹریکٹ کرتی ہے' شاعری اور اچھے ناولز کے دیوانے ہیں' قرآن پاک کی تلاوت انہیں بہت اپیل کرتی ہے' اڑتے بادل' لہلہاتے شجر' گنگناتے جھرنے' ندیاں' سب انہیں اچھے لگتے ہیں رشمی۔'' ورشا خان کی پرخلوص آنکھوں میں ستائش تھی جب کہ اس کے مقابل کھڑی رشمی خان کے گلابی ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ بکھر گئی کیوں کہ معصب احمر کی پسند کی ایک بھی چیز میں اس کا انٹرسٹ نہیں تھا۔

اگلے روز ان دونوں نے تھوڑے سے وقت میں ہی معصب احمر کی برتھ ڈے سلیبریٹ کرنے کی تمام تیاریاں مکمل کرلیں' رشمی نے آج معصب احمر کو متوجہ کرنے کے لیے فل میک اپ کے ساتھ ساتھ آف وائٹ کریپ کے سوٹ کا انتخاب کیا تھا جس میں اس کے سفید بازو اور سینہ صاف دکھائی دے رہے تھے۔ ڈوپٹے کو اس نے کندھوں پر پھیلانے کی بجائے محض بائیں کندھے پر جھولا دیا تھا۔ آج اسے پورا یقین تھا کہ معصب احمر اس کے حسن سے نگاہ نہیں چرا سکے گا تب ہی ریلکس انداز میں اسے ورشا خان کے سیڑھیوں سے گرنے کی جھوٹی خبر سنا کر اس نے مسکراتے ہوئے موبائل آف کردیا۔

خوب صورت سا ارسل ہاؤس اس وقت دیکھنے لائق تھا۔ پھولوں اور چھوٹے چھوٹے چراغوں سے پورا ہال جگمگا رہا تھا۔ اوپر سے انہوں نے تمام لائٹس بھی آف کردی تھیں تب تقریباً چار منٹ کے بعد ہی بدحواس سا معصب احمر وہاں چلا آیا تو ورشا نے کھل کھلاتے ہوئے فوراً تمام لائٹس آن کردیں۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو' ہیپی برتھ ڈے ٹو یو معصب بھائی......''

ورشا خان کی خوشی قابل دید تھی جب کہ وہ انتہائی شاکڈ پوز میں خفا خفا سا اس کے قریب چلا آیا۔

''یہ کیا بچپنا تھا ورشا' مجھے کچھ ہو جاتا تو......''

''ارے ایسے کیسے کچھ ہو جاتا' جن بھائیوں کی دعائیں کرنے والی بہنیں ہوں انہیں کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔'' ورشا نے اس کی خفگی کا کوئی اثر نہیں لیا تھا' جب وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''تمہیں میرا برتھ ڈے یاد تھا وشی......؟''

''بالکل' پہلے کبھی بھولی ہوں جو آج بھول جاتی۔'' وہ دل سے سرشار تھی۔

''تھینک یو سو مچ وشی' تم ہمیشہ میرا خیال رکھتی ہو میرے دکھ سکھ کو یاد رکھتی ہو' تھینک یو سو مچ۔'' مارے تشکر کے اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں جب مسرور سی ورشا خان نے ہنستے ہوئے اپنا خوب صورت گفٹ اسے تھما دیا اور اس نے فوراً اس کا ریپر چاک بھی کر ڈالا۔

''واہ' اعتبار ساجد کی شاعری' یار میں اس بک کے لیے کئی دنوں سے مارا مارا پھر رہا تھا' تھینک یو وشی۔ رئیلی آئی تھینک فل ٹو یو......'' وہ ورشا کا جتنا شکر گزار ہو رہا تھا' رشمی کے دل میں اتنے ہی کانٹے چبھ رہے تھے' تب ہی وہ آگے بڑھی اور اپنا خوب صورت بوکے اور قیمتی پرفیوم کا گفٹ اسے تھما دیا۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو معصب......''

''تھینک یو' لیکن آئندہ ایسا بے ہودہ مذاق مت کیجیے گا میرے ساتھ۔'' اس کا گفٹ تھام کر سائیڈ پر رکھتے ہوئے وہ خشک لہجے میں بولا تو رشمی جیسے تڑپ کر رہ گئی۔ اتنی بے قدری' اس قدر تذلیل کہ جس کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا' سرخ آنکھیں ضبط کی شدت سے چھلک جانے کو بے قرار ہو رہی تھیں جب وہ دکھ سے ورشا خان کی طرف دیکھتے ہوئے فوراً وہاں سے اپنے کمرے میں چلی آئی اور دروازہ لاک کر کے بیڈ پر گر گئی۔ وہ جتنا اس کے پیچھے بھاگ رہی تھی' معصب احمر اتنا ہی اسے دھتکار رہا تھا۔ قدم قدم پر اسے ہرٹ کر رہا تھا' کتنی عجیب بات تھی کہ وہ اس پر تین حرف بھیجنے کی بجائے زیادہ سے زیادہ اس کے قریب ہونے کی کوشش کر رہی تھی اس پتھر کے بت کو موم کا مجسمہ بنا کر پاش پاش کردینے کی خواہاں تھی مگر تاحال اسے اپنے ارادوں میں کامیابی نہ مل سکی تھی اور وہ ہر موڑ پر اس سے شکست کھا رہی تھی۔ اس کے ہوش ربا حسن کا جادو معصب احمر پر نہیں چل رہا تھا اور یہی بات اسے پریشان کیے ہوئے تھی۔

ورشا نے فوراً اس کے پیچھے لپک کر اسے روکنے کی کوشش کی تھی پھر دیر تلک وہ اس کے کمرے کا دروازہ بھی بجاتی رہی تھی لیکن رشمی خان تکیے میں سر دیئے روتی رہی۔

یہ اس سے کوئی ہفتہ بھر بعد کی بات ہے جب ورشا خان' اس کا من بہلانے کے لیے اسے آس خان اور درمان لوگوں سے ملانے لے آئی۔ وہ لوگ صبح کو آئے تھے اور اب ہر طرح کا بلہ گلہ کرنے کے بعد شام کے سات بج رہے تھے جب رشمی نے واپسی کے لیے اصرار کرنا شروع کردیا۔ وہ آج کل پاکستان واپس جانے کی تیاریوں میں مصروف تھی اور اسی سلسلے میں ارسل خان سے بات کرنا چاہتی تھی مگر وہ پندرہ روز کے لیے آسٹریلیا کے دورے پر تھا جس کے باعث وہ محض فون پر اس سے رابطہ قائم کرسکتی تھی اور کل فون پر ہی ارسل نے اگلے دن تفصیلی بات کرنے کا پرامس کیا تھا لہٰذا اسے گھر واپس جانے کی جلدی لگ گئی مگر ورشا کا آج یہیں رکنے کا پروگرام تھا کیوں کہ درمان بزنس کے سلسلے میں شہر سے باہر تھا اور اس کا کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ رات میں کس ٹائم گھر واپس لوٹتا' سو آس کی تنہائی کی وجہ سے ورشا نے اسے بھی وہیں روک لیا اس وعدے پر کہ جیسے ہی درمان بھائی آئیں گے وہ اسے گھر ڈراپ کروا دے گی' ابھی اس مسئلے پر گفت و شنید جاری تھی کہ خوش گوار موڈ کے ساتھ' خوبرو سا معصب احمر وہاں چلا آیا اور اسے وہاں دیکھ کر ورشا جیسے کھل اٹھی۔

''معصب بھائی' آپ فارغ ہیں......؟'' وہ کچھ دیر گپ شپ کے بعد جونہی آس خان کو چائے کا خالی کپ پکڑاتے ہوئے ورشا کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے پوچھ لیا۔

''ہاں...... کیوں کوئی کام تھا......؟''

''ہاں' اکیلی رشمی گھر جانا چاہ رہی تھی مگر درمان بھائی ابھی تک آئے نہیں ہیں اور مجھے ڈرائیونگ کرنا نہیں آتی' سو پلیز آپ رشمی کو گھر ڈراپ کردیں۔'' اس کا لہجہ ملتجیانہ تھا مگر معصب احمر نے فوراً انکار کر کے خاموش بیٹھی رشمی کو شاکڈ کردیا۔

''سوری وشی' میں آل ریڈی لانگ ڈرائیونگ کے بعد خاصا تھک چکا ہوں' سو پلیز یہ کام تم درمان کے لیے ہی رہنے دو۔'' اس کا انداز ایسا تھا کہ خود پسند رشمی خان دکھ سے کٹ کر رہ گئی۔ آج سے پہلے کسی لڑکے نے اسے نظر انداز کرنے کی جسارت نہیں کی تھی مگر معصب احمر وہ واحد شخص تھا کہ جو مسلسل نہ صرف اسے نظر انداز کر رہا تھا بلکہ قدم قدم پر ٹینز بھی کر رہا تھا اور وہ اس کے سامنے جیسے بے بس سی ہو کر رہ گئی تھی۔ کچھ بھی تو خاص نہیں تھا اس میں مگر پھر بھی وہ ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کی زندگی میں اپنی اہمیت بڑھا رہا تھا۔ وہ تو سمجھتی تھی کہ دنیا کے تمام مرد ایک جیسے ہوتے ہیں' فلرٹ' سنگدل' مگر آج اس مقام پر معصب احمر نے اس کا قیاس جھٹلا دیا تھا۔

نجانے کیوں کبھی کبھی اسے محسوس ہوتا تھا کہ جیسے معصب احمر خان جان بوجھ کر اسے ہرٹ کر رہا ہے۔ اسے نیچا دکھا رہا ہے مگر وہ ایسا کیوں کر رہا ہے' یہ وہ فی الحال سمجھنے سے قاصر تھی۔ شب کے تقریباً گیارہ بجے

درمان گھر واپس لوٹا تو وہ لوگ شطرنج کی بازی جما کر بیٹھے تھے۔ کھیل رشمی اور ورشا کے درمیان تھا' آس خان کو اس کی سمجھ نہیں تھی اور معصب احمر خود ہی پیچھے ہٹ گیا تھا سو وہ دونوں بازی لگا کر بیٹھ گئیں مگر کھیل کے دوران معصب' ورشا کی بھرپور ہیلپ کرتا رہا اور وہ شدید کوشش کے باوجود بھی ہارتی رہی۔ معصب احمر کی چیٹنگ اُسے کلسا رہی تھی مگر ستم یہ تھا کہ وہ اسے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھی' سو خاموشی سے ہارتی رہی یہاں تک کہ درمان آ گیا اور وہ فوراً گھر واپس جانے کے لیے بضد ہوگئی مگر درمان نے اس کے لاکھ اصرار کے باوجود اسے جانے کی اجازت نہیں دی اور ان سب کا موڈ فریش کرنے کے لے انہیں ساحلِ سمندر کی سیر کے لیے اپنے ساتھ لے آیا۔

وہ لوگ گھر میں تھے تو سردی کا احساس کم تھا مگر یہاں کھلی فضا میں آ کر ایک دم سے سردی کا احساس بڑھ گیا۔ درمان اور معصب دونوں ہی تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھے۔ ورشا نے گرم شال لی ہوئی تھی جبکہ آس خان نے درمان کا کوٹ پہن لیا تھا۔ یوں اپنی اپنی جگہ سب کا مسئلہ حل ہوگیا مگر رشمی کے ہونٹ سردی سے کپکپاتے رہے۔ درمان اور آس خان نے معصب احمر سے کوٹ نکلوا کر اسے تھمانے کی کوشش کی تھی مگر اس نے صاف کہہ دیا کہ وہ سردی فیل نہیں کر رہی ہے سو اسے کوٹ نہیں چاہیے تب مجبوراً انہیں کوٹ معصب کو واپس کرنا پڑا تھا مگر اس کے سادہ سے کاٹن کے سوٹ کی وجہ سے وہ اس کے لیے متفکر ضرور رہے۔ تھوڑی سی چہل قدمی کے بعد وہ وہیں سمندر کے کنارے بیٹھ کر گپ شپ لڑانے لگے تھے جب رشمی نے نیلے ہونٹوں کو کاٹتے ہوئے بے ساختہ معصب احمر کی طرف دیکھا' اتفاق وہ بھی اس وقت اس کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ پل دو پل کے لیے دونوں کی نظریں ملیں اور رشمی بوکھلا کر چہرے کا رُخ پھیر گئی۔ دل کی اس وقت عجیب سی کیفیت تھی جسے وہ قطعی کوئی نام دینے کو تیار نہیں تھی تب ہی اس نے دیکھا کہ اس سے کچھ ہی فاصلے پر بیٹھے معصب احمر نے ریت پر شہادت کی انگلی سے کچھ لکھا تھا مگر کیا لکھا تھا' یہ وہ دیکھ نہیں پائی تھی کیوں کہ مقابل بیٹھے اس شخص کے سامنے نگاہیں اٹھانا اس وقت اسے بہت دشوار لگ رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں سردی کی شدت سے سُن ہو گئے تھے' انگلیوں کے ناخن اور ہونٹ ضبط کی کوشش میں نیلے پڑ گئے تھے: جب مسکراتی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے معصب احمر نے اپنا کوٹ اس کے کندھوں پر ڈال دیا اور خود خاموشی کے ساتھ اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

تب شاکڈ سی رشمی خان نے اس کے اُٹھتے قدموں سے نگاہ چھڑا کر فوراً ریت پر دیکھا جہاں ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ بہت پیار سے ایک نام لکھ کر گیا تھا اور یہ دیکھ کر وہ حیرت سے ساکت رہ گئی کہ ساحل سمندر کی ریت پر خود اس کا نام ہی لکھا تھا' انگریزی کے بڑے بڑے حروف میں لکھا گیا ''رشمی'' اسے مسرت سے بے حال کر گیا۔ ابھی چند سیکنڈز پہلے وہ اس شخص سے شدید الرجک تھی لیکن ابھی کچھ سیکنڈز کے بعد دل کی دنیا کا حال یکسر بدل گیا اور وہ خوشی سے گنگنا اٹھی۔

''تو تم میرے حسن سے ہار ہی گئے معصب احمر۔''

ریت پر کندہ اپنے نام پر انگلی پھیرتے ہوئے دل ہی دل میں اس نے سوچا اور سرشاری سے مسکرادی۔ اس رات اسے بہت سکون کی نیند آئی' خوابوں کے سفر میں معصب احمر کے قدم بہ قدم چلتے ہوئے وہ نجانے کہاں سے کہاں پہنچ گئی تھی۔ گو اس کے نظریات اب بھی وہی تھے' وہی محبت کے وجود سے انکار' وہی حساس لفظوں کی سحر خیزی پر شدید الرجک' وہی خدا کی یاد سے غافل دل تاہم معصب احمر کا یہ اچھوتا سا اظہارِ محبت اسے بہت اچھا لگا تھا اور وہ حقیقی معنوں میں سنجیدگی سے اس کے متعلق سوچنے پر مجبور ہوگئی تھی۔ اس روز وہ مارکیٹ کی طرف آئی تو یونہی انجوائے منٹ کے لیے نوشی گیلانی کی ''محبتیں جب شمار کرنا'' خرید لی۔ شب میں فسٹ ٹائم جب اس کا مطالعہ کیا تو ایک ایک نظم کے سحر میں جیسے وہ پگھلتی گئی۔ الفاظ نوشی کے تھے لیکن اس کے احساس اس حال اسے اپنے دل کا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ حیران ہی ہو رہی تھی کہ کوئی شاعر یا شاعرہ یوں کسی اور کے جذبات کیسے لکھ سکتا ہے۔ اس تجربے کے بعد شاعری میں اس کا انٹرسٹ بڑھ گیا تھا اور وہ جو رائیٹروں اور شاعروں سے الرجک تھی اب بڑے شوق سے ان کے الفاظ ان کی تخلیقات خرید کر پڑھنے لگی۔ اپنے پاکستان واپس جانے کا فیصلہ بھی اس نے بدل دیا تھا' انہی دنوں پاکستان سے عائشہ بیگم کا فون آیا تو اسے معلوم ہوا کہ فیضان کی مما رحلت فرما چکی ہیں اور فیضان اپنی اسٹڈی کے لیے پھر سے چائنا فلائی کر گیا ہے تب دل میں ایک انجانے سے بوجھ کے احساس سے چھٹکارہ پا کر وہ سرشاری سے پلکیں موند گئی کہ اب فیضان احمر کی جذباتی محبت کے بوجھ سے اسے رہائی مل گئی تھی۔

ارسل ہاؤس میں آج کل ورشا کی شادی کا موضوع چل رہا تھا جس کے باعث معصب احمر کی یہاں آمد و رفت بڑھ گئی تھی۔ اس روز بھی وہ آفس سے سیدھا ورشا سے ملنے کے لیے آیا تھا اور پچھلے آدھے گھنٹے سے اس کے کمرے میں نجانے کیا ڈسکس کر رہا تھا جب بے قراری رشمی مزید ضبط کا یارانہ رکھتے ورشا کے کمرے کی طرف چلی آئی مگر کمرے کی دہلیز پر ہی اپنا نام سن کر اس کے تیزی سے اُٹھتے قدم رک گئے۔ وہ کافی بلند لہجے میں ورشا خان سے کہہ رہا تھا۔

''وشی' اعصار بہت اچھا لڑکا ہے' سب سے بڑھ کر تم اسے چاہتی ہو' پھر یہ رنجشیں کیوں......؟'' وہ دھیمے سے بولا یا تھا جب اسے ورشا خان کی پُرسکون آواز سنائی دی۔

''رشمی بھی تو بہت اچھی ہے پھر آپ اسے چاہتے بھی ہیں پھر آپ کی زندگی میں یہ ٹینشن کیوں......؟''

''کیوں کہ رشمی مجھ سے پیار نہیں کرتی' سُنا تم نے۔'' اس نے حتی المقدور اپنی آواز کو دبانے کی کوشش کی تھی مگر اس کے باوجود اس کا لہجہ بلند ہو گیا جس پر باہر کھڑی رشمی جھٹکا کھا کر رہ گئی۔ اعصار احمر اور ورشا کی کہانی جو بھی تھی اسے انٹرسٹ نہیں تھا مگر معصب احمر کا حالِ دل جان کر وہ خوشی سے بے حال ضرور ہوگئی تھی تب ہی وہاں سے دوڑ کر اپنے کمرے میں آئی اور خوشی سے اچھل پڑی۔ زندگی نے ایک مرتبہ پھر اسے کامیابی سے ہمکنار کیا تھا اور وہ اس خوشی پر پھولے نہ سما رہی تھی۔ معصب احمر میں تم سے بہت پیار کرتی ہوں۔ وہ دھیرے سے بڑبڑائی تھی۔ اپنے حسین ہونے کا احساس' اب اسے اور بھی مغرور بنا رہا تھا۔ تب ہی ایک روز اس نے ہمت کر کے پُرخلوص سی ورشا خان پر اپنے دل کا حال کھول دیا جسے جان کر ورشا کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''رشمی...... یو مین' تم معصب بھائی سے پیار کرتی ہو......؟'' انتہائی حیرانی کے عالم میں اس نے تصدیق چاہی تھی' جب مسروری رشمی خان نے فوراً اثبات میں سر ہلا کر اسے یقین تھما دیا۔

''لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے رشمی' تت' تم تو فیضان بھائی سے انگیج ہو......'' اسے جیسے اپنی سماعتوں پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

''فیضان سے انگیج ہوں تو کیا ہوا' محبت تو مجھے معصب احمر سے ہی ہے۔'' اپنے ریشمی بالوں کو جھٹکتے ہوئے اس نے قطعی بے نیازی سے کہا تھا۔ جب پریشان سی ورشا خان اپنا سر پکڑ کر وہیں بیٹھ گئی۔

''رشمی! پلیز تم اپنا فیصلہ بدل لو کیوں کہ معصب بھائی کو پانا تمہارے لیے ممکن نہیں ہے۔''

''کیوں......؟ کیا تم ان میں انٹرسٹڈ ہو؟'' بڑے تیکھے لہجے میں اس نے وار کیا تھا جس پر ورشا خان تڑپ کر رہ گئی۔

''شٹ اپ رشمی' میں تمہیں یہ سب اس لیے نہیں کہہ رہی کہ میں ان میں انٹرسٹڈ ہوں بلکہ میں یہ سب تم سے اس لیے کہہ رہی ہوں کیوں کہ معصب احمر بھائی آل ریڈی میرڈ ہیں اور ان کی وائف کا نام بھی رشمی ہے' جس سے وہ بے پناہ پیار کرتے ہیں' سُنا تم نے۔'' ورشا خان کے الفاظ کیا تھے' آگ میں تپی ہوئی سلاخیں تھیں جو

سیدھی رشمی خان کے دل میں پیوست ہوگئی تھیں۔ پل دو پل کے لیے اس کے قدم لڑکھڑائے اور اس نے قطعی بے یقینی کے ساتھ ورشا خان کی طرف دیکھتے ہوئے بے ساختہ دیوار کو تھاما تھا' جب ورشا خان نے اس کے حال سے نگاہ چراتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔

''معصب بھائی اور ان کی وائف کے درمیان گزشتہ دو ماہ سے ناراضگی چل رہی تھی۔ ابھی کچھ روز پہلے ہی وہ اپنی وائف کو منا کر گھر واپس لائے ہیں تب ہی تو کئی دنوں سے ادھر کا چکر نہیں لگایا' بہر حال تم چاہو تو ان کی وائف سے مل سکتی ہو رشمی' لیکن پلیز معصب بھائی کا خیال اپنے ذہن سے نکال دو کیوں کہ یہ محبت وحبت سب بے کار کی باتیں ہیں اور ناولوں' افسانوں میں ہی اچھی لگتی ہیں۔''

اسے گم صم پاکر ورشا خان اپنائیت سے اسے سمجھاتے ہوئے وہاں سے چلی گئی تھیں مگر وہ اپنے نڈھال وجود کے ساتھ وہیں زمین پر بیٹھتی گئی۔ ابھی چند روز قبل اسے معصب احمر سے عشق کا دعویٰ نہیں تھا اور نہ ہی وہ اس کی محبت میں خود کو کوئی روگ لگانے کا ارادہ رکھتی تھی لیکن اب صورت حال مختلف تھی۔ اب معصب احمر اپنی انفرادیت کے باعث اس کے دل تک رسائی پاچکا تھا۔ بے خبری میں ہی سہی' وہ اسے چاہنے کا جرم کرچکی تھی مگر زندگی نے یہ کیسا مذاق کیا تھا اس کے ساتھ کہ پل دو پل میں ہی اس کا سارا گھمنڈ' سارے حسین خواب' مٹی میں مل کر رہ گئے تھے اور وہ خالی دل و دماغ کے ساتھ نڈھال سی بیٹھی رہ گئی تھی۔

اس وقت اس کا حال اس مسافر کی مانند ہو رہا تھا کہ جو اپنی تمام کشتیاں جلا کر سمندر میں اترتا ہے مگر کنارے پر پہنچنے سے پہلے ہی بھنور میں الجھ کر مزید ہاتھ پاؤں چلانے کی طاقت کھو بیٹھتا ہے۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی مگر آنسو قطار در قطار اس کی آنکھوں سے پھوٹ بہے۔ آج اس کے تمام نظریات' تمام خیالات' ایک تمانچے کی طرح اس کے منہ پر آ لگے تھے اور وہ کسی مجرم کی طرح سر نہوڑائے بیٹھی تھی۔

معصب احمر جیسے منفرد شخص کو کھو دینے کا تصور ہی محال تھا اس کے لیے' تب ہی اسے محسوس ہوا کہ جیسے فیضان اور سالار اس پر دل کھول کر ہنس رہے ہوں۔ اس کی بے بسی کا مذاق اُڑا رہے ہوں اور وہ بالکل تنہا بیٹھی چپ چاپ بلکتے ہوئے انہیں دیکھ رہی ہو۔

اس نے بہت کوشش کی کہ وہ معصب احمر کے تصور کو ذہن سے جھٹک دے' کسی نہ کسی طرح سے خود کو مطمئن کرلے لیکن آج یہاں اس مقام پر وہ اپنے دل سے ہار گئی تھی۔

موسم بے انتہا خوب صورت ہو رہا تھا۔ ٹھنڈی معطر ہواؤں اور گدلے بادلوں نے پورے ماحول میں ایک عجیب سی خوب صورتی بکھیر رکھی تھی تب ہی وہ اپنے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے معصب احمر کے بنگلے کی طرف چلی آئی کہ دل کا بوجھ اس وقت ناقابل برداشت ہو رہا تھا۔ دل وادی کے اندر تمام موسم اُجڑنا شروع ہوگئے تھے۔ وہ اس خوش نصیب کو دیکھنا چاہتی تھی کہ جسے معصب احمر کی ہم سفری کا شرف ملا تھا۔ تب ہی تقریباً پندرہ منٹ کی مسافت کے بعد وہ اس کے بنگلے کے سامنے پہنچی تو ٹانگوں نے جیسے اس کا مزید بوجھ سہارنے سے انکار کردیا۔ تھکے تھکے شکستہ قدموں کو گھسیٹتی وہ گھر کے اندر داخل ہوئی تو براؤن پینٹ اور گرے شرٹ میں ملبوس خوب صورت سا معصب احمر سامنے ہی کین کی چیئر پر بیٹھا ایک چھوٹے سے بچے کے ساتھ کھیل رہا تھا اور اس قدر خوش دکھائی دے رہا تھا کہ جیسے دونوں جہاں کا ثر وراسے بہ یک وقت ہی مل گیا ہو تب ہی رشمی میں مزید قدم اُٹھانے کی ہمت نہ رہی اور وہ وہیں گیٹ کے قریب کھڑی سودائیوں کی طرح اُسے دیکھتی رہی کہ اچانک معصب احمر کی نگاہ اس پر پڑی اور وہ مسکراکر چونکتے ہوئے اس کے قریب چلا آیا۔

''ارے آپ یہاں میرے غریب خانے پر خیریت تو ہے ناں......؟'' ذرا سا مسکرا کر اس نے پوچھا تھا' جواب میں وہ خالی خالی سی نگاہوں کے ساتھ یک ٹک اسے دیکھے گئی۔

''رشمی آیئے نا پلیز' اندر آیئے۔ میں آپ کو اپنی وائف اور بیٹے سے ملاتا ہوں۔'' اسے خاموش پاکر وہ پھر سے گویا ہوا تھا جواب میں رشمی نے ذرا سا سر ہلا کر اس کی پیش قدمی کردی۔

''رشمی...... بات سُنو پلیز......'' اسے وہیں لان میں اپنے مقابل بٹھا کر اس نے اپنی وائف کو آواز دی تھی' جواب میں کچھ ہی لمحوں کے بعد جو لڑکی اس کے سامنے آئی اسے دیکھ کر رشمی خان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ بے ساختہ کرنٹ کھا کر وہ اُٹھی تھی اور لڑکھڑا کر رہ گئی تھی۔ کالی سیاہ رنگت' موٹی موٹی آنکھیں' کم زور سا وجود' چھوٹے چھوٹے بکھرے ہوئے بال' دوپٹہ اچھی طرح سر پر لپیٹے ہوئے بے ترتیب سے حلیے کے ساتھ وہ ہرگز معصب احمر کے ساتھ سُوٹ نہیں کررہی تھی تب ہی بے ساختہ وہ چلا اُٹھی۔

''نہیں نہیں' یہ...... یہ تمہاری بیوی نہیں ہوسکتی معصب احمر...... دیکھو اسے اچھی طرح دیکھو' یہ کہاں سُوٹ کرتی ہے تمہارے ساتھ' مم...... مجھے دیکھو' یہ...... یہ میرا چہرہ جس پر سب فدا ہیں' یہ میرے ریشمی بال...... یہ میرا ہوش رُبا فگر' مجھے دیکھو معصب احمر' میں تمہارے ساتھ جچتی ہوں۔'' گھٹی گھٹی آواز میں وہ چلائی تھی جب خوبرو سے معصب احمر نے دھیمے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آپ اپنے منہ میاں مٹھو بن رہی ہیں رشمی' وگرنہ کوئی مجھ سے پوچھے کہ میری رشمی سے زیادہ خوب صورت اس دنیا میں کوئی نہیں' آپ نہیں جانتیں کہ میں نے اسے پانے کے لیے کتنے پاپڑ بیلے ہیں' کتنی مشکلیں برداشت کی ہیں' میری رشمی میں میری جان ہے میڈم لیکن دیکھئے' میری اتنی دیوانگی کے باوجود میری مسز کے نزدیک میری کوئی ویلیو نہیں ہے۔ ہے ناں عجیب بات......'' وہ انکشاف پر انکشاف کر رہا تھا اور رشمی خان شاکڈ کھڑی گم صم سے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔

''مم...... مجھ میں کس چیز کی کمی ہے معصب...... مم...... میں تم سے پیار کرتی ہوں' بے حد بے تحاشا...... پلیز میرا ہاتھ تھام لو' آئی پرامس میں تمہاری زندگی خوشیوں سے بھر دوں گی' بب...... بہت پیار کروں گی تم سے......'' آنسو لڑھک کر اس کے گالوں پر پھسل پڑے تھے' لہجہ بُری طرح سے کپکپا گیا تھا مگر معصب احمر نے اس کی ریکویسٹ پر سر جھٹک دیا۔

''پلیز رشمی' مجھے قطعی سمجھ میں نہیں آرہا کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ دیکھیئے...... میں اپنی وائف سے بے انتہا پیار کرتا ہوں' اس سے ہٹ کر کسی اور کے تصور کو بھی گناہِ کبیرہ سمجھتا ہوں۔ میں اپنی فیملی سے خوش ہوں رشمی' لہٰذا پلیز آپ میرا خیال اپنے ذہن سے نکال دیں کیوں کہ میں اگر ایک دن بھی اپنی رشمی کو نہ دیکھوں تو اندھا ہو جاتا ہوں۔ بہت افسوس کی بات ہے میں آپ کو دوسری عام لڑکیوں سے قطعی مختلف سمجھا تھا لیکن افسوس کہ آپ بھی ایک عام سی دل پھینک لڑکی ہی نکلیں......'' وہ اس وقت سنجیدہ لہجے میں اس کی محبت کا مذاق اُڑا رہا تھا لیکن اسے پروا نہیں تھی تب ہی وہ پھر سے چلا اُٹھی۔

''ہاں میں ہوں عام سی لڑکی' سُنا تم نے...... میں عام سی لڑکی ہوں' ہر لڑکی ہی عام ہوتی ہے' ہمیشہ محبت کے کھیل میں ہار جانے والی' میں عام سی لڑکی ہوں معصب احمر' کیوں کہ میں' تمہاری انفرادیت سے ہار گئی ہوں۔ پلیز مجھے اپنا لو ورنہ میں مر جاؤں گی معصب احمر' میں مر جاؤں گی۔''

حلق پھاڑ لہجے میں چلاتے ہوئے وہ رو پڑی تھی جب اس کے مقابل کھڑا خوبرو سا معصب احمر کھل کھلا کر ہنس پڑا۔

''ویری سرپرائزنگ...... یعنی ایک لڑکی جو سرے سے محبت کے وجود کو مانتی ہی نہیں' وہ محبت کو کھو دینے کے خوف سے مرنے کی بات کررہی ہے' ہاؤ فنی......''

وہ کھل کھلا کر ہنس رہا تھا جب کہ نڈھال سی رشمی خان

آنسو بھری نگاہوں سے اسے ہنستے ہوئے دیکھ کر سسک رہی تھی۔

''میں غلط تھی معصب' گمراہ تھی میں' مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ محبت تو ایک سحر ہے جو کسی کو کہیں بھی اپنی گرفت میں جکڑ سکتی ہے۔ میں محبت سے بدگمان تھی معصب' تماشا سمجھتی تھی اسے لیکن آج جب محبت کا یہ درد میرے سینے میں اُٹھا ہے تو مجھے معلوم ہوا ہے کہ محبت فراڈ نہیں ہے بلکہ ایک اٹل حقیقت ہے جسے کوئی بھی سرپھرا جھٹلا نہیں سکتا' پلیز مجھے معاف کردو معصب' پلیز......''

وہ بلک بلک کر رو پڑی تھی۔ جب معصب احمر نے اس کے آنسوؤں سے نگاہیں چراتے ہوئے کہا۔

''تم اب بھی محبت کے مفہوم سے ناآشنا ہو رشمی' کیوں کہ معافی تو تمہیں اس غفورالرحیم سے مانگنی چاہیے کہ جس کے تخلیق کیے ہوئے اس خوب صورت احساس کو تم مغروری سے جھٹلاتی رہی ہو' جس بزرگ و برتر نے تمہیں اپنے پیارے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت میں سے پیدا کیا' تم برسوں اُسی کے وجود سے غافل رہی ہو' میں تو اُس کا پیدا کردہ ایک عام سا انسان ہوں رشمی' کیا میری محبت' تمہیں دُنیا اور آخرت میں سُرخروئی دے سکتی ہے؟ کیا میرا پیار' تمہیں قبر کے عذابوں سے نجات دلا سکتا ہے؟ کیا میرا ساتھ تمہیں پُل صراط کی مشکل سے گزار سکتا ہے؟ نہیں رشمی' میرا پیار' میری محبت' میرا ساتھ تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔ ہر انسان کو اگر کوئی چیز فائدہ پہنچا سکتی ہے تو وہ اللہ اور اُس کے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہے رشمی' جو قدم قدم پر روشنی بن کر ہمیں دُنیا اور آخرت میں سُرخرو کرے گی۔ محبت حسن کی محتاج نہیں ہوتی رشمی کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ کے سچے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اپنی بے پناہ محبت سے سرفراز نہ فرماتے۔ خدا کی تخلیق کردہ اس دُنیا کے کروڑوں کم صورت انسان' چاہے جانے کی حسرت میں ایڑھیاں رگڑ رگڑ کر مرجاتے لیکن ایسا نہیں ہے رشمی' جانتی ہو کیوں......؟ کیوں کہ حسن اللہ تعالیٰ نے چہرے پر نہیں بلکہ آنکھوں میں رکھا ہے' بہت سے لوگ جنہیں ہم ایک نظر دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتے' وہی کسی کے لیے کُل کائنات کی مانند ہوتے ہیں اور یہ سب اللہ رب العزت کی قدرت ہے رشمی' اس معبودِ حقیقی کی شان ہے کہ وہ جب چاہے جسے چاہے سُرخرو کردے اور جسے چاہے ذلت عطا کردے' یہ سب اُس کی حکمت ہے پلیز جاؤ رشمی' واپس لوٹ جاؤ کیوں کہ میرے پاس تمہیں دینے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔''

معصب احمر سپاٹ لہجے میں اُسے سمجھا رہا تھا اور وہ سر جھکائے کسی مجرم کی طرح بیٹھی چپ چاپ اُسے سن رہی تھی۔ سچ ہی تو کہہ رہا تھا وہ' کہ جو اللہ کا پیدا کردہ ایک عام سا انسان تھا' اسی سے بچھڑنے کا دکھ اسے درد سے نڈھال کر رہا تھا تو پھر وہ معبودِ حقیقی کہ جس نے خود انسان کو تخلیق کیا تھا وہ اپنے تخلیق کیے ہوئے انسان کے بھٹک جانے پر کس قدر رنجیدہ ہوتا ہوگا؟ وہ بزرگ و برتر کہ جس نے انسان کو اپنی محبت کے لیے پیدا کیا وہ اسی انسان کو کسی اور کی محبت میں غرق خود سے غافل دیکھ کر کیا سوچتا ہوگا؟ اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ محبت کا حقیقی مفہوم تو اللہ کی پاک ذات سے عشق کرنا ہے۔ اس سچے رب کی تعریف کرنا ہے جو کروڑوں گناہوں کے بعد بھی اپنی رحمت سے اپنے بندے کو بخش دیتا ہے۔ کسی بھی انسان کی محبت محض درد اور رُسوائی کے سوا کچھ نہیں دیتی جب کہ اس پروردگار کی محبت دنیا اور آخرت دونوں میں سُرخروئی عطا کرتی ہے۔ وہ پاک و بے نیاز' کبھی خود سے محبت کرنے والے کو مایوس نہیں لوٹاتا' کبھی اُنہیں غلط راستے پر بھٹکنے نہیں دیتا' کبھی اُن کی کسی دُعا کو خالی نہیں جانے دیتا تو پھر کیوں ہر انسان عشقِ حقیقی کو بھلا کر عشقِ مجازی کے سحر میں ڈوبا ہوا ہے؟

اس روز اُس نے بلک بلک کر معصب احمر سے کہا تھا کہ وہ اُس سے پیار کرتی ہے لیکن معصب احمر نے اس کی پکار پر کان نہیں دھرے تھے جب کہ یہی بات وہ اگر

اپنے خدا سے کہتی تو کیا وہ اس کی پکار نہیں سُنتا؟ بات وچنے کی تھی مگر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت تو وہ اس وقت کھو چکی تھی تب ہی بمشکل اپنے شکستہ وجود کو گھسیٹتے ہوئے وہ وہاں سے اُٹھی اور اپنے کمرے میں آ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ مدتوں سے رُکے آنسو جیسے ایک دم سے بہ نکلے تھے۔

کتنے ہی دن گزر گئے تھے چپ چاپ' بے کل لیکن اس کے بے قرار دل کو سکون نہیں ملا۔ کتنی ہی بار وضو کر کے اس نے نماز پڑھنے کی کوشش کی لیکن نماز میں بھی اس کا دل نہیں لگا۔ دعا کے لیے ہاتھ اُٹھاتی تو سمجھ میں ہی نہیں آتا تھا کہ خدا سے کیا مانگے؟ تب بے بس ہو کر وہ رو پڑتی' پچھلے کئی دنوں سے اس نے اپنا کمرہ مختلف پوئیٹری بکس اور ناولز سے بھر لیا تھا' ہر غزل' ہر نظم' ہر افسانے میں اسے اپنے دل کا درد ملا تھا' اس روز بھی وہ شاعر نوید اقبال آکاش کی بک ''تجھے میں یاد آؤں گا'' اور ''کس نے کہا تھا پیار کر'' کی تلاش میں قریبی بک شاپ کی طرف آئی تھی جب اچانک اس کی نگاہ اپنے سے کچھ ہی فاصلے پر کھڑے خوب صورت سے سالار احمد پر جا پڑی۔ وہ اسے یہاں ناروے میں دیکھ کر شاکڈ رہ گئی۔

''سالار'' بڑے بے ساختہ لہجے میں اس نے پکارا تھا۔ جب وہ چونک کر پیچھے پلٹتے ہوئے حیران رہ گیا۔

''ارے رشمی' آپ یہاں' ناروے میں......'' وہ لپک کر اس کے قریب آیا تھا اور قدرے پُرجوش لہجے میں پوچھ رہا تھا جب اس کی طرف یک ٹک دیکھتے ہوئے رشمی خان نے اس کا سوال نظر انداز کر کے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

''آپ یہاں کیسے......؟ آپ تو غالباً دوحہ میں ہوتے تھے۔''

''ہاں...... میں اب بھی دوحہ میں ہی ہوتا ہوں لیکن وہ کیا ہے کہ میری مسز لبنیٰ کو ناروے بہت پسند ہے تو اس کی خواہش پر میں اسے یہاں وزٹ کرانے لے آیا۔ ویسے لبنیٰ کو تو جانتی ہیں ناں آپ' وہی آپ کی بیسٹ فرینڈ......؟'' اس کی غلافی آنکھوں میں اب بھی رشمی کو کھو دینے کا درد تھا لیکن اس کے لب جو کہہ رہے تھے اس پر وہ حیران رہ گئی تھی' تب ہی چونکتے ہوئے بولی۔

''وھاٹ...... آپ نے لبنیٰ سے شادی کرلی......؟ لل...... لیکن...... آپ تو مجھ سے پیار کرتے تھے......؟''

''وہ تو اب بھی کرتا ہوں رشمی...... پہلے پیار کو انسان کبھی بھولتا نہیں ہے لیکن پیار کا صحیح مفہوم مجھے لبنیٰ نے سمجھایا ہے' آپ کو یاد ہے رشمی' جب آپ کے پیار میں میں نے اپنی وین کاٹ کر خود کو موت کے منہ میں دھکیل دیا تھا تو لبنیٰ کیسے تڑپ کر آگے بڑھی تھی۔ میں اس سے پیار نہیں کرتا تھا رشمی اور نہ ہی اسے مجھ سے کوئی دل چسپی تھی لیکن اس کے باوجود وہ نہیں چاہتی تھی کہ مجھے کچھ ہو' جب کہ آپ سنگ دلی سے میرا خون بہتے ہوئے دیکھتی رہیں۔ میں اس دن بہت رویا تھا رشمی' آپ کی سنگ دلی نے بہت ہرٹ کیا تھا مجھے لیکن اسی دن میں نے یہ جانا کہ مجھے آپ سے پیار نہیں کرنا چاہیے تھا کیوں کہ جس انسان میں دوسرے انسان کے لیے محبت اور ہمدردی کے جذبات نہ ہوں وہ انسان ایک خالی مکان کی مانند ہوتا ہے کہ جسے حاصل کر بھی لیا جائے تو محض سناٹوں کے اور کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا۔ سو بہت سوچ و بچار کے بعد میں نے لبنیٰ کو اپنا پرپوزل بھجوا دیا اور اس کا بڑا پن دیکھیں رشمی کہ وہ یہ معلوم ہو جانے کے باوجود کہ میں آپ سے پیار کرتا ہوں مجھے سہارا دینے کے لیے تیار ہوگئی۔ میں اپنی زندگی سے بہت خوش ہوں رشمی' تھینک یو سوچ کہ آپ کے ٹھکرانے سے مجھے لبنیٰ جیسی پیاری بیوی مل گئی۔ آئی ریئلی تھینک فل ٹو یو......''

سالار احمد کا پُرجوش لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ جو کچھ بھی کہہ رہا ہے وہ بالکل سچ ہے۔ تب ہی وہ اس سے ایکسکیوز کر کے اپنے ٹوٹے پھوٹے دل کے ساتھ گھر واپس چلی آئی۔

دماغ تھا کہ جیسے پھٹنے کو تیار تھا۔ سچ ہی تو کہا تھا

سالار احمد نے کہ جس انسان کے دل میں دوسرے بنی نوع انسان کے لیے محبت و ہمدردی کے جذبات نہ ہوں وہ انسان خالی مکان کی مانند ہی ہوتا ہے۔ وہ بھی تو ایک خالی مکان کی مانند ہی تھی تب ہی تو کسی کا قیام نہ ہو سکا تھا اس کے دل میں، جیسے جیسے دن گزر رہے تھے، وہ خود اپنی ذات سے روشناس ہو رہی تھی۔

اس وقت بھی وہ گم صم سی سر سبز لان میں بیٹھی تھی جب ورشا خان اس کے پاس چلی آئی۔

رشمی...... یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہو جان، ٹھنڈ لگ جائے گی۔ اندر چلو اور عصر کی نماز پڑھ لو۔" اس کے کندھے پر اپنائیت سے ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے کہا تھا۔ جب وہ کھوئے کھوئے سے لہجے میں بڑبڑاتے ہوئے بولی۔

"وشی، میں نے رو رو کر خدا سے اس کی محبت کی بھیک مانگی تھی لیکن خدا نے میری دعا نہیں سنی۔ میرا نماز میں دل نہیں لگتا، وہ میری پکار نہیں سنتا وشی۔ نہیں سنتا وہ میری پکار۔"

"کیسے سنے گا رشمی، کوئی سوالی جب ہمارے دروازے پر آتا ہے تو نہایت عاجزی سے روٹی کا سوال کرتا ہے لیکن ہم پھر بھی اسے ٹال دیتے ہیں اس کی صدا پر کان نہیں دھرتے، پھر وہ تو کل جہانوں کا مالک ہے رشمی، ہمیں پیدا کیا ہے اس نے، زندگی بسر کرنے کے لیے کروڑوں نعمتیں دی ہیں اس نے۔ اگر ہم اس کے آگے نہیں گڑگڑائیں گے، عاجزی سے ہاتھ نہیں پھیلائیں گے تو وہ کیسے ہماری پکار سنے گا رشمی، کیسے اپنی محبت کی بھیک دے گا ہمیں......؟"

سادہ سی ورشا خان دھیمے لہجے میں اس سے کہہ رہی تھی اور وہ ہونقوں کی طرح منہ اٹھائے ٹکر ٹکر اسے دیکھ رہی تھی۔

"رشمی! کتنی عجیب بات ہے ناں کہ اگر کسی فقیر کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے جھونپڑے میں ملک کا بادشاہ آ رہا ہے تو وہ اپنے جھونپڑے کو سجاتا ہے، سنوارتا ہے، ہر ممکن کوشش کرتا ہے کہ اس کے گھر میں بادشاہ کو کوئی خامی نہ ملے۔ لیکن رشمی، خدا جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے، کل جہانوں کا مالک ہے، وہ بھی تو انسان کے دل میں ہی رہتا ہے ناں، پھر کوئی اس کے گھر کو صاف کیوں نہیں کرتا؟ دل جو خدا کا گھر ہے، لوگ اسی گھر کو حسد، نفرت، ظلم، منافقت سے گندا کر کے یہ کیوں چاہتے ہیں کہ خدا ان کے دل میں رہے اور ان کی پکار سنے کیا اس مالک حقیقی کا یہ حق نہیں کہ جس گھر میں وہ رہتا ہے اس کو صاف رکھا جائے اور تب، اس سے اس کی محبت مانگی جائے۔"

سادہ سی رشمی خان نرم لہجے میں اس سے کہہ رہی تھی اور وہ بنا پلک جھپکائے یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"رشمی، میری جان۔ تم صرف ایک انسان کی محبت نہ پا کر اس قدر ٹوٹ گئی ہو کہ تمہیں خود اپنے وجود کا احساس نہیں رہا۔ کیا تمہیں اس بات کا کوئی دکھ نہیں کہ تم سالوں سے اس پاک ذات سے بے نیاز ہو جس نے تمہیں صرف اپنی محبت کے لیے پیدا کیا۔ کیا تمہیں یہ احساس تکلیف نہیں پہنچاتا کہ جس پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہم امت ہیں، جو پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر ہمارے لیے ہماری بخشش کے لیے خدا کے حضور گڑگڑاتا رہا، آنسو بہاتا رہا، ہم اسی پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یاد کرتے ہوئے ان پر ایک درود پاک تک نہ بھیک سکیں؟"

وہی ورشا کا دھیما انداز، مگر رشمی خان کا ضبط یکلخت ہی ٹوٹ گیا اور وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ ورشا نے محض ایک نظر محبت سے اس کی طرف دیکھا پھر اپنے دونوں بازو پھیلا کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

زندگی میں آگاہی کا دکھ سب سے بڑا ہوتا ہے۔ انسان جب تک بے خبر رہتا ہے، خوش اور مطمئن رہتا ہے لیکن جیسے ہی اس پر حقیقتوں کے در وا ہوتے ہیں وہ جیسے ہی اپنے اصل سے آگاہی حاصل کرتا ہے، بے چین ہو جاتا ہے۔ اسے رہ رہ کر اپنا ہر عمل تکلیف پہنچاتا ہے

اور اس وقت رشمی خان بھی اسی تکلیف سے گزر رہی تھی۔

اس روز وہ وضو کر کے مصلے پر کھڑی ہوئی تو سورۃ فاتحہ پڑھنے کے دوران ہی اس کا گلہ رندھ گیا۔ آنکھیں لبالب آنسوؤں سے بھر گئیں۔ اسے تو معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ خدا سے مخاطب ہو کر کہہ کیا رہی ہے؟ کوئی شخص جو ہم سے ایسی زبان میں بات کرے کہ جسے ہم جانتے ہی نہ ہوں تو بھلا اس کی صدا کیسے ہمارے دل پر اثر کر سکتی ہے؟ خواہ وہ کچھ بھی کہتا رہے، ہم اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ وہ بھی تو نہیں جانتی تھی کہ وہ خدا سے کیا کہہ رہی ہے اور جب وہ جانتی ہی نہیں تو اس کے لفظوں میں عاجزی کیسے پیدا ہوتی۔ اس وقت اسے اپنا آپ بہت قابل رحم لگ رہا تھا۔ اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ قرآن پاک جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی امت کی رہنمائی کے لیے نازل فرمایا، اس میں لکھا کیا ہے۔ کیا باتیں ہیں جو اللہ اور اس کے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان ہوئیں۔

آنسو قطار در قطار اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے اور وہ دونوں ہاتھ پھیلائے چپ چاپ بیٹھی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ خدا سے کیا مانگے......؟ وہ سمجھتی تھی کہ موسیقی روح کا قرار ہے لیکن آج خدا کے حضور آنسو بہا کر اسے یہ معلوم ہوا تھا کہ روح کا اصل قرار تو نماز میں ہے، خدا کے قرب میں ہے۔

اس روز وہ دیر تلک خدا کے حضور بیٹھی اپنے گناہوں کی بخشش کی بھیک مانگتی رہی تھی اور کتنی دل چسپ بات تھی کہ اس روز کے بعد اس کی بے چینی اور بے کلی بہت حد تک ختم ہو گئی تھی۔ زندگی میں ایک دم سے ٹھہراؤ آ گیا تھا۔ وہ اب ہر وقت آنسو نہیں بہاتی تھی لیکن وہی آنسو اس کی آنکھوں میں جم کر رہ گئے تھے۔

اس روز وہ نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد لاؤنج میں آئی تو پاکستان سے عائشہ بیگم کا فون آ گیا۔ آج ان کا لہجہ قدرے افسردہ تھا۔ تب ہی کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد انہوں نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"رشمی...... فیضان نے چائنا میں شادی کر لی ہے بیٹے......"

وہ رشمی اور فیضان کے درمیان کی ہر بات سے بے خبر تھیں، تب ہی ان کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا مگر رشمی جو ساکت بیٹھی فون تھامے ہوئے تھی، اس کی آنکھ سے دکھ کا ایک آنسو بھی نہیں نکلا۔ نکلتا بھی کیسے؟ اس نے فیضان کے ساتھ جو بے رحم سلوک کیا تھا، اس کی یہ سزا تو ملنی ہی تھی اسے۔ تب ہی اس نے چپ چاپ ریسیور کریڈل پر رکھ دیا اور خود پلکیں موند کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔

"رشمی...... آر یو اوکے؟" متفکر سی ورشا خان نجانے کس پل وہاں چلی آئی تھی جب رشمی خان نے دھیرے سے پلکیں کھول کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیا کہہ رہی تھیں آنٹی؟" اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے اس نے دوسرا سوال کیا تھا جب رشمی خان نے دھیمے لہجے میں اسے بتایا۔

"فیضان نے چائنا میں شادی کر لی ہے ورشا۔"

"وہاٹ...... آئی مین وہ ایسا کیسے کر سکتے ہیں، وہ تو تم سے پیار کرتے ہیں ناں......؟" ورشا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ جب وہ پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر پھیلاتے ہوئے بولی۔

"تو کیا ہوا ورشا؟ میں نے بھی تو معصب احمر کو چاہا تھا، رو رو کر اس سے محبت کی بھیک مانگی تھی، کتنا گر گئی تھی میں اس کے سامنے، لیکن کیا ہوا۔ کیا مجھے معصب احمر کا پیار ملا......؟ نہیں ناں...... تو پھر فیضان کو میرا پیار کیسے مل جاتا؟" وہ کسی مجسمے کی مانند ساکت تھی لیکن اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ مخروطی انگلیاں اور احمریں ہونٹ دھیرے دھیرے کپکپا رہے تھے۔ جب اس کی طرف افسردگی سے دیکھتے ہوئے ورشا خان نے پوچھا۔

"اب آگے کیا ارادہ ہے رشمی؟ کیا تم ساری زندگی محبتوں کو کھو دینے کا سوگ مناتی رہو گی؟" ورشا کے سوال پر رشمی نے بڑے شکستہ سے انداز میں اس کی طرف

دیکھا‘ پھر دونوں ہاتھ مسلتے ہوئے نم لہجے میں بولی۔

”میں نے اپنی کرنی کا پھل پایا ہے وشی۔ پھر کچھ بھی کھو دینے کا دُکھ کیسا؟ ہاں مگر جب سے میں نے خدا کی محبت کو پایا ہے تب سے کسی اور محبت کی طلب نہیں رہی ہے مجھے۔ ہاں میں اُداس ہوں‘ بے حد پشیمان ہوں لیکن جانتی ہو کیوں‘ کیوں کہ میں نے خدا کے بندوں کا دل دُکھایا ہے وشی‘ سالوں اس معبودِ حقیقی کے وجود سے غفلت برتی ہے۔ میرا کہاں ٹھکانہ ہوگا وشی؟ کیسے معافی مانگوں میں سالار احمد اور فیضان سے۔ میں نے سب کو ہرٹ کیا‘ خدا کہاں معاف کرے گا مجھے۔“

”ڈونٹ بی سلی رشمی۔ خدا بہت غفور الرحیم ہے۔ تم اس سے کچھ مانگ کر تو دیکھو وہ تمہیں مایوس نہیں کرے گا۔“ رشمی کے نم لہجے پر ورشا نے اپنائیت سے اس کے کندھے پر ہاتھ دھرتے ہوئے کہا تھا جب گم صم سی رشمی نے دھیرے سے سر ہلا کر پلکیں موندلیں۔

♥♥♥

بہار کا موسم گزر چکا تھا اور اب ہر طرف خزاں کا راج تھا۔ وہ بے سکون نہیں تھی اور نہ ہی خدا کی محبت کو پالینے کے بعد اسے کچھ کھو دینے کا دُکھ رہا تھا لیکن پھر بھی ایک کسک تھی کہ جو ہر پل اُسے سُلگائے رکھتی۔ وہ جو پہلے فیشن کی دلدادہ تھی‘ اب انتہائی سادہ حلیے میں رہنے لگی تھی اور اس کی اس تبدیلی نے سب کو ہی سرپرائز کیا تھا۔ ارسل نے تو باقاعدہ اس کا ریکارڈ بھی لگایا تھا لیکن اب اسے کسی کی پروا نہیں تھی۔

ناروے کی خوب صورت فضاؤں میں اب اُس کا دم گھٹنے لگا تھا تب ہی اس نے سب کے اصرار کے باوجود پاکستان واپسی کا ارادہ کرلیا۔ وہ جب یہاں آئی تھی تو زندگی پر اس کا اپنا اختیار تھا۔ وہ اپنی مرضی سے ہنستی اور قہقہے لگاتی تھی لیکن آج جب وہ اس ملک سے واپس جارہی تھی تو اس کے دامن میں سوائے آنسوؤں کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ آج وہ بالکل تہی داماں خالی دل لیے واپس جارہی تھی۔

شب آدھی سے زیادہ ڈھل چکی تھی‘ دور آسمان پر ہزاروں ستاروں کے جھرمٹ میں جگمگاتا چاند جیسے اس کی بے بسی پر مسکرا رہا تھا‘ دور کہیں ویرانے میں جھینگروں کے بولنے کی آوازیں خاموش فضا میں ایک عجیب سا ارتعاش بکھیر رہی تھیں۔ ماحول میں خنکی کا احساس خاصا بڑھ گیا تھا۔ سرد ہوائیں رات کی خاموشی میں گنگناتے ہوئے اردگرد کی ہر چیز کو منجمد کررہی تھیں۔ کل اسے پاکستان واپس چلے جانا تھا‘ اپنی محبت‘ اپنی ہر تڑپ‘ ہر یاد یہیں اس ملک کی بے درد فضاؤں کے سپرد کر جانا تھا۔ مسلسل رونے سے اس کی آواز بیٹھ چکی تھی۔ رتجگوں کی خمار زدہ سُرخ آنکھوں میں آنسوؤں کا سمندر چھلک رہا تھا اور وہ کھڑکی کے شیشے سے چہرہ ٹکائے چپ چاپ رو رہی تھی۔

وقت دھیرے دھیرے سرک رہا تھا۔ لمحے ہاتھ سے گیلی ریت کی مانند پھسل رہے تھے اور وہ کف بہاتے خشک ہونٹوں سے بڑبڑا رہی تھی۔

”میں تم سے پیار کرتی ہوں معصب احمر‘ پلیز بی لیو می......“

وہ خود کو بکھرنے نہیں دینا چاہتی تھی لیکن دل کا درد اسے بکھیر رہا تھا۔ ایسی کوئی کہانی وہ کسی رسالے میں پڑھتی تو ہنس کر رائیٹر پر طنز کردیتی‘ جھٹلا دیتی‘ لیکن یہ کہانی تو خود اس کی اپنی تھی‘ پھر کیسے جھٹلاتی وہ اسے۔ آنسوؤں سے اس کا پورا چہرہ بھیگ چکا تھا لیکن وہ ہنوز اسی پوزیشن میں بیٹھی سسک رہی تھی۔ شب تیزی سے اپنا پچھلا سفر مکمل کررہی تھی لیکن نیند اس سے کوسوں دور تھی یہاں تک کہ صبح کا اُجالا پھیل گیا۔

اس کی فلائیٹ کا ٹائم شام چار بجے تھا لہٰذا وہ پورا دن اس نے ورشا خان‘ ارسل‘ آس خان اور درمان کے ساتھ ناروے کے اہم مقامات کی سیر میں گزارہ۔ سورج ڈھلنے سے قبل اس نے ساحل سمندر پر موجوں کے نام اپنی محبت کا پیغام لکھا‘ تب ہی معصب احمر خان کو آخری بار دیکھنے کی خواہش لیے وہ سب سے مل کر ارسل خان کے

ساتھ گھر سے نکل آئی۔

ہلکی ہلکی بارش کی بوندوں نے سڑکوں پر لوگوں کی آمدورفت کو خاصا کم کردیا تھا تب ہی ارسل خان اس سے ادھر اُدھر کی باتیں کرتے ہوئے سلو ڈرائیونگ کے بعد تقریباً ساڑھے تین بجے تک ایئرپورٹ پہنچ گیا۔ پاکستان جانے والی پرواز بالکل ریڈی تھی جب اس نے ارسل خان کو الوداع کہنے کے بعد بے ساختہ اپنے خدا سے صرف ایک بار معصب احمر کو دیکھنے کی دُعا مانگ ڈالی۔ آنکھیں اسے پھر کبھی نہ دیکھنے کے دُکھ سے برس رہی تھیں۔ دل اُسے زندگی بھر کے لیے کھو دینے کے درد سے تڑپ رہا تھا لیکن وہ اپنا ضبط بچائے تیزی سے وزیٹنگ ہال کی طرف بڑھ گئی جب اچانک اس کے قدم اپنے نام کی پکار پر ٹھٹک گئے۔

”رشمی بات سنو پلیز......“

بلاشبہ یہ آواز معصب احمر کی تھی۔ تب ہی تو اس نے لمحے کے ہزارویں حصے سے قبل پلٹ کر اُسے دیکھ لیا۔ وہ اس وقت بلیک ٹراؤزر میں ملبوس تھا۔ فریش چہرے کے ساتھ اس کی جگمگاتی روشن آنکھوں میں کہیں اسے کھو دینے کا تاثر نہیں تھا تاہم پھر بھی رشمی کے آنسو اسے اتنے دنوں کے بعد دیکھ کر آنکھوں کی قید میں نہیں رہ سکے تھے تب ہی وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

”آپ پاکستان واپس جارہی ہیں......؟“

”ہاں۔“ پیاسی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ جب وہ دوبار بولا۔

”مجھے ابھی وشی نے فون پر بتایا تھا‘ بہر حال میں آپ سے اپنے ہر اُس عمل کے لیے ایکسکیوز کرنا چاہتا ہوں جس سے آپ کو تکلیف پہنچی حالانکہ میں نے کبھی آپ کو دُکھ دینے کا تصور بھی نہیں کیا لیکن پھر بھی انجانے میں آپ میری وجہ سے ہرٹ ہوئیں‘ میں اس کے لیے شرمندہ ہوں رشمی۔“ بہت نارمل سا لہجہ تھا اس کا تب ہی دیوانی سی رشمی خان کا سر آپ ہی آپ جھکتا چلا گیا۔ اس نے جواب میں ایک لفظ بھی اپنے مقابل کھڑے اس شخص سے نہیں کہا تھا کہ جس کے روک لینے کی خواہش شدت سے اس کے دل میں بیدار ہوئی تھی۔

♥♥♥

وہ پاکستان واپس آئی تو یکسر بدل چکی تھی۔ عائشہ بیگم تو اپنی لختِ جگر کو اتنے درست راستے پر پاکر خوشی سے پھولے نہ سمارہی تھیں مگر خوشی کے اسی احساس میں ذرا سی فکر اس کی حد سے زیادہ سنجیدگی اور خاموشی بھی تھی۔ ہنسنا‘ کھلکھلانا تو جیسے وہ بھول ہی چکی تھی تاہم انہوں نے اس کی اداسی کو فیضان کی بے وفائی کا باعث سمجھ کر اس کی شادی جلد کرنے کے بارے میں سوچنا شروع کردیا تھا اور آج کل تو وہ بے حد خوش تھیں کیوں کہ انہیں رشمی کے لیے ایک بہت ہی مناسب رشتہ مل گیا تھا تب ہی خوشی کے مارے ان کے قدم زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔

رشمی اس معاملے سے قطعی لاتعلق نظر آرہی تھی۔ اسے کوئی دل چسپی نہیں تھی کہ عائشہ بیگم اس کے لیے کس شخص کو منتخب کرتی ہیں اس کے لیے اب کوئی بھی شخص قابلِ قبول تھا‘ سو وہ خاموش تھی۔

دن بڑی سُست روی سے بیت رہے تھے۔ اس روز وہ کچھ گھریلو چیزوں کی خریداری کے لیے مارکیٹ آئی تو ایک اور زخم اس کا منتظر تھا۔ وہ اپنی مطلوبہ اشیاء کی خریداری کے بعد عمیرہ احمد کا ناول امربیل خرید رہی تھی جب اچانک اس کی نگاہ اپنے سے کچھ ہی فاصلے پر کھڑے فیضان احمر پر جاپڑی۔ اس کے پہلو میں ایک خوب صورت سی ماڈرن لڑکی کھڑی تھی جو کسی طور سے پاکستانی نہیں لگ رہی تھی تب ہی وہ اسے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ بلو پینٹ اور بلیک شرٹ میں ملبوس‘ سرخ و سفید بادامی آنکھوں والا ہینڈسم سا فیضان احمر‘ اسے زندگی میں پہلی مرتبہ‘ بے انتہا خوب صورت لگا۔ وہ غالباً کسی خاص شاعر کی کتاب خریدنا چاہ رہا تھا جو اسے مل کر نہ دے رہی تھی۔ تب بے ساختہ رشمی کا دل چاہا کہ وہ اسے آواز دے

کر اپنی طرف متوجہ کرے‘ اس سے اپنے کیے کی معافی مانگے لیکن اس سے پہلے کہ وہ اسے پکارتی‘ اس سے کچھ ہی فاصلے پر کھڑے گم صم سے فیضان احمر کی نگاہ خود ہی اس پر پڑ گئی جواب میں صرف ایک پل کے لیے وہ ٹھٹکا تھا پر اگلے ہی پل اس نے سرعت سے نگاہ پھیر لی تھی۔ اس کے انداز میں اتنی نفرت تھی کہ دھان پان سی رشمی خان اپنی جگہ لرز کر رہ گئی تاہم اس سے پہلے کہ وہ اس سے کوئی بات کرتی‘ فیضان احمر اپنی مطلوبہ کتاب کی پے منٹ کر کے فوراً بک شاپ سے نکل گیا۔ جبکہ وہ شکستہ سے انداز میں دروازے سے لگی کھڑی بھرائی ہوئی آنکھوں سے اسے جاتا دیکھتی رہ گئی۔

ایسا تو ہونا ہی تھا اس کے ساتھ‘ اس نے جو بے رحم سلوک فیضان کے پرخلوص جذبوں کے ساتھ کیا تھا اس کے بعد اس کا یہ بی ہیویر تو متوقع تھا لیکن پھر بھی اس کا دل کانپ اٹھا۔ اپنے انتہائی قریبی دوست کی اس نفرت پر اس کی آنکھیں ڈھیروں آنسوؤں سے جھلملا گئیں۔ اس روز خدا کے حضور زمین پر پیشانی ٹکاتے ہوئے وہ بلک بلک کر روئی تھی۔ وہ ایک شخص کہ جس کی محبت سے اس نے محض ایک بار منہ موڑا تھا اور وہ اس پر اتنا خفا ہو گیا تھا کہ اس پر نفرت بھری دوسری نظر ڈالنا گوارہ نہیں کی تو پھر وہ خدا کہ جس کی بے لوث محبت سے وہ پچھلے بائیس سالوں سے منہ موڑے ہوئے تھی‘ وہ بھلا اس سے کتنا ناراض ہوگا۔ یہ تصور ہی اسے بے حال کر رہا تھا۔ اس روز اسے لگا تھا کہ وہ قطعی خوب صورت نہیں ہے کیوں کہ اگر وہ خوب صورت ہوتی تو کوئی اتنی نفرت سے اسے نظر انداز نہ کرتا‘ اس روز خدائے بزرگ و برتر کے حضور سجدہ ریز وہ اتنی شدت سے روئی تھی کہ اس کی سسکاریاں نکل گئی تھیں لیکن اس روز خدا سے اپنے ناکردہ گناہوں کی معافی مانگنے کے بعد اس کا دل ایک دم سے پرسکون ہو گیا۔ اسے لگا جیسے اس کے خدا نے اس کے آنسوؤں کے صدقے اس کی ہر خطا کو بخش دیا ہو۔

کتنی عجیب بات تھی کہ وہ بھی دُنیا کی ستر فیصد لڑکیوں کی مانند فیشل کرواتے‘ بھنویں بنواتے‘ تھریڈنگ کرواتے‘ چست سے چست لباس پہنتے ہمیشہ یہی چاہتی تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ مردوں کی منظورِ نظر رہے‘ اسے ہر کوئی دیکھے اور سراہے‘ ہر کوئی پسند کرے‘ اس نے کبھی یہ تو سوچا ہی نہیں کہ جس خدا نے اپنی پسند پر اسے تخلیق کیا ہے اور جس کے پاس اسے ہمیشہ کے لیے لوٹ کر جانا ہے وہ کبھی اسے بھی اچھی لگنے کا کوئی کام کرے۔ کبھی تو اس روش پر چلے کہ خدائے بزرگ و برتر کو پسند آ جائے۔ وہ ہمیشہ انسانوں کی توجہ‘ ان کی پسند ناپسند‘ ان کی محبت کے پیچھے بھاگتی رہی تھی۔ اپنے معبودِ حقیقی کی محبت کے بارے میں سوچنے کا تو اسے کبھی وقت ہی نہیں ملا تھا اور آج جب آگہی کے در وا ہوئے تو رو رو کر اس کا حال برا ہو گیا۔

عائشہ بیگم نے اس کی شادی کی ڈیٹ فکس کر دی تھی۔ ناروے سے ورشا خان‘ آس خان‘ ارسل اور اس کی آنٹی غزالہ بیگم سبھی پاکستان پہنچ گئے تھے۔ ورشا خان پہلی مرتبہ پاکستان آئی تھی لیکن پاکستان کے ہر اہم مقام کے بارے میں اس کے پاس اتنی معلومات تھیں کہ رشمی تو اس کی باتیں سن کر حیران ہی رہ جاتی۔ اس کی شادی کے تمام فنکشنز خوب دھوم دھام سے سیلبریٹ کیے گئے تھے۔ نٹ کھٹ سی ورشا خان ہر رسم کی ادائیگی میں آگے آگے تھی۔ تاہم جس وقت نکاح کی رسم ہوئی اس وقت سنجیدہ سی رشمی خان کا دل دُکھ سے بھر گیا۔ آنکھیں شدتِ غم سے لبالب بھر گئیں۔ قریب تھا کہ اس کے آنسو نکاح رجسٹر پر گر پڑتے‘ جب اس نے سرعت سے مطلوبہ جگہوں پر اپنے سائن گھسیٹ کر نکاح رجسٹر اپنے دُور پرے کے رشتہ دار چچا کو تھما دیا۔

رخصتی کے وقت وہ عائشہ بیگم کے بعد ورشا خان کے گلے لگ کر اتنی شدت سے روئی کہ خود ورشا خان کا دل تڑپ اٹھا۔ سارے میک اپ کا ستیاناس ہو گیا تھا مگر اسے پروا نہیں تھی۔ وہ اپنے محل جیسے گھر سے سسرال میں آئی تو دل و دماغ جیسے قطعی سُن ہو چکے تھے۔ اُس کی

ساس اس پر صدقے واری جا رہی تھیں۔ رشتہ دار خواتین کا ہجوم اس پر اُمڈا پڑ رہا تھا لیکن جس کے پاس جس کے نام سے منسوب ہو کر وہ اس گھر میں آئی تھی اس کا کہیں کچھ پتہ نہیں تھا۔

اس کی ساس اس کے ہزار لاڈ کرنے اور کچھ رسمیں نبھانے کے بعد اسے کمرے میں آرام کے لیے بٹھا گئی تھیں۔ وسیع ڈیکوریٹڈ کمرہ اپنی تمام تر خوب صورتی میں اپنی مثال آپ تھا لیکن اسے کسی چیز میں کوئی کشش محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ وہ بالکل ساکت بیٹھی تھی بے حس‘ پتھر کے مجسمے کی مانند‘ وقت دھیرے دھیرے رینگ رہا تھا‘ رات کے تقریباً ساڑھے بارہ بج چکے تھے مگر اس کے ہونے والے مجازی خدا کا کہیں کچھ پتہ نہیں تھا۔ نازک کمر تھک کر تختہ ہو چکی تھی‘ بھاری زیورات اور بھی تھکن کا باعث بن رہے تھے جب اس نے بھرائی ہوئی آنکھوں سے وال کلاک کی طرف دیکھا جہاں شب کے اڑھائی بج رہے تھے اور وہ بھرائی ہوئی آنکھوں سے ساکت بیٹھی دل میں ڈگمگاتے اندیشوں پر آنسو بہا رہی تھی۔ وہ جس کے نام سے منسوب ہو کر یہاں آئی تھی اس کا کہیں کچھ پتہ نہیں تھا تب ہی تھکن سے بے حال وہ اپنے گداز بیڈ سے اٹھ کر سنگھار میز کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اس وقت اس کا روپ کسی بھی پتھر کو پگھلانے کے لیے کافی تھا مگر جس پتھر دل شخص کے حوالے سے وہ یہاں آئی تھی اس نے تو اسے ایک نظر دیکھ کر سراہنا بھی گوارہ نہیں کیا تھا اس وقت اسے اپنی بدنصیبی پر بہت رونا آ رہا تھا کیوں کہ زندگی میں کبھی کسی مرد کی محبت نصیب نہ ہو سکی تھی‘ نہ باپ کی کہ جس نے اس کی پیدائش کے فقط چند ماہ بعد ہی اس کے ننھے سے وجود سے نگاہیں پھیر لی تھیں‘ نہ بھائی کی کہ جسے اللہ نے اس کے لیے پیدا ہی نہیں کیا تھا‘ نہ محبوب کی کہ جس نے اس کی تمام تر شدتوں اور سچائیوں کے باوجود اسے دھتکار دیا تھا اور اب اس کے ہونے والے مجازی خدا نے بھی اسے ایک نظر دیکھنا تک گوارہ نہیں کیا تھا۔ آنسو تھے کہ برق رفتاری سے گالوں پر بکھر رہے تھے اور وہ بھاری دوپٹے کی پنیں اتارتے ہوئے سسک رہی تھی جب اچانک دروازے پر ہلکی سی ناک ہوئی اور اگلے ہی پل کوئی ہلکے سے دروازے کو دھکیل کر کمرے کے اندر چلا آیا۔ رشمی کا دل ایک دم ہی تیزی سے دھڑکا اور ہاتھ وہیں ٹھٹک گئے۔ تب بے ساختہ ہی اس نے فوراً پلٹ کر اندر آنے والے شخص کو دیکھا اور اپنی جگہ پر منجمد ہو گئی۔ کاجل بھری بلوری آنکھوں میں حد درجہ حیرانی تھی جب اس نے خواب کے عالم میں پلکیں جھپکتے ہوئے بمشکل لبوں کو جنبش دی۔

”مم......مصعب احمر......تت......تم......؟“

”کیوں...... مجھے آج یہاں نہیں ہونا چاہیے تھا؟“ چند قدم آگے بڑھ کر اس نے شگفتہ انداز میں کہا تھا۔ جب شاکڈ کھڑی رشمی خان نے اپنے چکراتے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

”رشمی...... پلیز بی ریلکس۔ دیکھو میں تمہیں سب کچھ صاف صاف بتا دوں گا لیکن پلیز تم اپنے آپ کو سنبھالو۔“

وہ اسے شکستہ انداز میں زمین پر بیٹھتے دیکھ کر فکرمندی سے گویا ہوا جب ضبط و حیرت کی انتہا پر کھڑی رشمی خان غم سے پھٹ پڑی۔

”میری زندگی سے نکل جاؤ مصعب احمر......مت اتنا ستاؤ مجھے اور کتنا امتحان لو گے میرے ضبط کا‘ کیوں مارنا چاہتے ہو مجھے تم......“ وہ سسک پڑی تھی جب اس کے مقابل کھڑے مصعب احمر نے گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

”رشمی...... میں جانتا ہوں کہ تمہارے لیے یہ سب قطعی غیر متوقع ہے۔ یقیناً تم مجھے یہاں اپنے شوہر کے رُوپ میں دیکھ کر شاکڈ رہ گئی ہو لیکن اگر تم نے نکاح نامے پر سائن کرتے ہوئے صرف ایک نظر میرے نام پر ڈالی ہوتی تو سچویشن قطعی ایسی نہ ہوتی۔ بہرحال میں نے تمہیں جس قدر بھی ہرٹ کیا اس میں میری نادانستہ

خطاؤں کے ساتھ ورشا خان کی ریکویسٹ بھی شامل تھی سو مجھے ایک رُوڈ انسان کا کریکٹر پلے کرنا پڑا۔“

وہ اپنے مخصوص مدھر لہجے میں بول رہا تھا اور رشمی خان عجیب بے یقین سے انداز میں ٹکر ٹکر اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”میں تمہیں تکلیف دینا نہیں چاہتا تھا رشمی‘ پلیز بی لیو می۔ میں نے جب فرسٹ ٹائم تمہیں روڈ پر اپنی گاڑی سے ٹکراتے ہوئے دیکھا تھا اس وقت پہلی ہی نظر میں تم اپنے معصوم سے حسن کے ساتھ مجھے بہت اچھی لگی تھیں تب ہی میں تمہاری ہیلپ کر کے تمہارے ٹھکانے کا پتہ لگانا چاہتا تھا کہ اچانک ارسل وہاں آ گیا اور یوں میں جو آئندہ تم سے ملنے کا وسیلہ سوچ رہا تھا‘ قدرت کی اس مہربانی پر اُش اُش کر اٹھا۔ میرا تعلق بھی پاکستان سے ہی تھا لیکن میں نے یہ بات تم سے چھپائی کیوں کہ جب تمہیں لے کر میں نے ورشا سے اپنے دل کی بات کی تو اس نے مجھے تمہارے آل ریڈی انگیج ہونے کا بتا کر شدید ہرٹ کر ڈالا میرے پاس یہ تصور بھی نہیں تھا کہ تم کسی اور کے نام سے منسوب ہوگی۔ بہرحال تمہاری انگیج منٹ کے ساتھ ہی ورشا نے تفصیلاً تمہارے نظریات اور خیالات مجھ پر واضح کر دیئے۔ یوں میرے دل میں تمہاری محبت کا جو چھوٹا سا چراغ روشن ہوا تھا وہ پھڑ پھڑا کر رہ گیا۔ میں تمہیں یکسر اگنور کرنا چاہتا تھا مگر نہ کر سکا تم جب بھی میرے سامنے آتیں میرا دل مچل جاتا نتیجتاً میں شدید جھنجلا کر ایسا قدم اٹھانے پر مجبور ہو جاتا کہ تم تڑپ کر رہ جاتیں۔ تمہیں اپنے نصیب کا حصہ نہ بنتے پا کر میں تمہیں زیادہ سے زیادہ ہرٹ کرتا اور اپنے بے کل دل کو تسکین پہنچاتا‘ اس وقت مجھے خود بھی معلوم نہیں تھا کہ میں ایسا کیوں کرتا تھا۔ بہرحال میں نے محسوس کیا کہ میں جتنا تمہیں اگنور کرتا ہوں اتنا ہی تم میرے پیچھے بھاگتی ہو‘ تب مجھے اس عمل میں مزہ آنے لگا اور میں تمہیں تڑپانے کے لیے زیادہ سے زیادہ تمہیں اگنور کرنے لگا۔ یہ سلسلہ نجانے کب تک جاری رہتا کہ ایک دن ورشا کی معرفت مجھے یہ معلوم ہوا کہ تمہارے فیانسی فیضان احمر سے تمہاری جھڑپ ہوگئی ہے اور تم نے اس کے ساتھ شادی سے انکار کر دیا ہے تب اپنی خود غرض دل کی تسکین کے لیے میں مزید تمہاری محبت کا امتحان لیتا رہا۔ میرا وہ اپنی سالگرہ پر تمہیں اگنور کرنا‘ وہ تمہیں ڈراپ کرنے سے معذرت کرنا‘ وہ تمہیں ذلیل کر برا بھلا کہہ کر ذلیل کرنا‘ وہ سب مصنوعی تھا رشمی۔ خدا جانتا ہے کہ جب میں نے تمہیں اپنی محبت کے بے حال درست راستے پر پایا تو کیسے تمہارا ایک ایک آنسو میرے دل پر گرتا تھا لیکن میں اور ورشا تمہیں حقیقی محبت کی پہچان کروانا چاہتے تھے رشمی اور اس کے لیے تمہیں درد سے آشنا کرنا ضروری تھا کیوں کہ جب تک خود تمہارے دل پر چوٹ نہ لگتی تمہیں کسی کے دل کے درد کا احساس نہیں ہونا تھا سو ہم نے قدم قدم پر پلاننگ کی اور تمہیں درست راستے کی طرف لاتے رہے۔ رشمی‘ ورشا میرے لیے چھوٹی بہنوں کی مانند ہے‘ بہت عزیز ہے وہ مجھے لیکن جب میں نے اپنی محبت کے لیے تمہاری آنکھوں میں آنسوؤں کو بکھرتے ہوئے دیکھا تب تم سے بڑھ کر عزیز میرے لیے کوئی نہیں تھا لیکن میں اس کا اظہار کر کے اپنی ساری محنت پر پانی پھیرنا نہیں چاہتا تھا سو خود پر لاتعلقی کا خول چڑھائے رکھا ورنہ خدا جانتا ہے کہ یہ دل کیسے ہمک ہمک کر تمہاری قربت کے بہانے تلاشتا تھا۔“

اس کے خوب صورت چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں لیے وہ مدھر لہجے میں بول رہا تھا اور وہ ہونقوں کی طرح یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔

”رشمی...... میری جان‘ میرا یقین کرو جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ فیضان نے چائنا میں کسی اور لڑکی سے شادی کر لی ہے تب بے حد خوشی کے عالم میں فوراً میں نے پاکستان میں مما سے رابطہ کیا اور ان سے تمہارے سلسلے میں بات کی‘ مما کو میں نے تمہاری تصویریں بھی بھیجی تھیں اور انہوں نے میری پسند کو اوکے کر کے باقاعدہ تمہاری مما سے رشتے کی بات بھی چلالی۔ انہی

دنوں ورشا اور اس کے منگیتر کے رشتے کی بات چلی‘ وہ آفس کولیگ ہے میرا اور ورشا اس سے بہت پیار کرتی ہے لیکن گزشتہ کچھ ماہ سے ان دونوں کے درمیان غلط فہمی کے باعث ناراضگی چلی آ رہی تھی جس کی وجہ سے ورشا اس کا رشتہ ٹھکرا رہی تھی اور میں اسے ہر حال میں یہ احمقانہ قدم اٹھانے سے روک رہا تھا کہ تم نے اچانک ہماری مبہم گفتگو سن لی اور دل میں اس گمان کو بڑھا دیا کہ دنیا کے ستر فیصد مردوں کی طرح میں بھی ایک عام سی سوچ کا حامل ظاہری حسن پر مر مٹنے والا انسان ہوں۔ ہاں میں تم سے پیار کرتا تھا رشمی لیکن تمہارے حسن سے مرعوب ہو کر نہیں بلکہ تمہارے اندر کی جذباتی لڑکی پر مرمٹا تھا لیکن تم یہ بات کبھی نہیں سمجھ سکتی تھیں تب ہی ہماری کوششوں پر پانی پھرتے دیکھ کر ورشا نے اپنی طرف سے میری شادی کی کہانی گھڑی اور میرے بارے میں تمہارے نظریے کو بدل دیا۔ عین اس وقت کہ جب تم مجھے کھو دینے کے تصور سے تڑپ رہی تھیں‘ ورشا نے فوراً مجھے کال کر کے تمام حقیقت سے آگاہ کر دیا۔ اسی نے یہ اطلاع دی کہ تم مجھ سے ملنے کے لیے میرے گھر آ رہی ہو تب ورشا کے جھوٹ میں سچائی کا رنگ بھرنے کے لیے میں نے فوراً ہمسایوں کا بچہ پکڑ کر اسے فٹ بال سے بہلایا اور اپنی ملازمہ کو ساری بات سمجھا کر اپنی مسز کا درجہ دیا جس پر بعد میں دیر تلک میں ہنستا بھی رہا لیکن یقین مانو رشمی‘ میرے یہ سب کرنے کا مقصد صرف اور صرف تمہیں یہ باور کرانا تھا کہ انسان خواہ کتنا ہی خوب صورت کیوں نہ ہو وہ اگر کسی کی آنکھوں میں نہ بسے تو اس کی ساری خوب صورتی بے کار ہے۔ خوب صورت انسان وہی ہے کہ جس کی خدا تک رسائی ہوگئی۔ اب تو مجھے معاف کر دو رشمی پلیز......“

ساری روداد تفصیلی سُنانے کے بعد اس نے رشمی کے ہاتھ تھامتے ہوئے محبت سے کہا تھا جب وہ چپ چاپ اس کے کندھے سے سر ٹکا کر رو پڑی۔

”تم بہت بُرے ہو معصب احمر‘ بہت رُلایا ہے تم نے مجھے......“ اس کی آواز بھرا گئی جب وہ کھلکھلاتے ہوئے بولا۔

”ہاں تو اب ازالہ بھی تو میں ہی کروں گا ناں۔ ویسے میں تو سمجھا تھا کہ تم نکاح رجسٹر پر سائن کرتے وقت ہی تمام حقیقت جان لوگی اور مجھ سے خوب لڑو گی مگر لگتا ہے کہ تم نے کسی اور سے شادی کے دُکھ میں میرے نام پر ایک نظر ڈالنا بھی گوارہ نہیں کی‘ ہے ناں...... خیر جانے دو‘ تم یقیناً میرے لیٹ آنے پر خفا ہوگی۔ تو دیکھو رشمی قسم سے اس سلسلے میں میں قطعی قصور وار نہیں ہوں‘ وہ کیا ہے کہ میں تو شکرانے کے نفل پڑھنے مسجد گیا تھا کہ راستے میں ایک دوست کی طبیعت خراب ہوگئی اور یوں رُخ یار کے درشن کرنے کی بجائے اسپتال کے درشن کرنے پڑ گئے۔ ویسے مما اور ورشا تو کافی کھنچائی کر چکی ہیں میری اب باقی کی کسر تم یوں رو دھو کر پوری کر دو......“

وہ اس وقت از حد رومینٹک موڈ میں اس معصب احمر سے قطعی مختلف لگ رہا تھا جسے وہ سنگ دل سمجھتی تھی تب ہی وہ دھیمے سے مسکرا دی۔

”سنو...... رونمائی میں کیا لوگی......؟“ اس کی قربت سے بے حال وہ سرگوشیانہ لہجے میں بولا تو بے ساختہ رشمی کے لب پھڑ پھڑا گئے اور اس نے کہا۔

”دل۔“ رشمی کے مطلوبہ اس منفرد گفٹ پر کھلنڈرا سا معصب احمر کھل کھلا کر ہنس پڑا۔ پھر اپنے دونوں بازو رشمی کے نازک سے وجود کے گرد پھیلاتے ہوئے ”اوکے“ کہا تو قربتوں کے نشے میں بے حال رشمی خان نے بے ساختہ خدا کا شکر ادا کر ڈالا کہ اب واقعی اسے معصب کے دل پر محبت کی راج کماری بن کر راج کرنا تھا۔

✦